حصہ چہارم

علماء ہند کی شاندار ماضی

۱۸۵۷ء کی خونین داستان

از
محمد میاں ناظم جمعیۃ علماء صوبہ آگرہ

ملنے کا پتہ ہملی بک ڈپو نظیرآباد لکھنو

سیاست اور مذہب کے متعلق گرانقدر تصانیف

کتاب	تفصیل
آسمانی حکومت کی تصویر	اپنے موضوع پر سب سے پہلی کتاب از حضرت علامہ غازی مولانا محمد بن عبداللہ عرف منصور انصاری مدظلہ العالی مقیم کابل۔ یہ عجیب و غریب کتاب ہے، اسلامی اصول کے اعتبار سے بادشاہ۔ صدر اعظم پارلیمنٹ۔ خلافت۔ امارت وغیرہ کی تشریح کیگئی ہے۔ اچھوتا موضوع ہے قیمت ۳/
رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم اور سیاسی انقلاب عرف مسلم سوشلسٹ	مولانا محمد میاں صاحب کی معرکۃ الآراء اور عجیب و غریب تصنیف ہے جو اپنے موضوع پر پہلی کتاب ہے۔ جس میں اسلام اور سوشلزم۔ عقیدہ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کا اثر سیاسیات عالم پر وغیرہ وغیرہ عنوانات پر نہایت کامیاب اور دلچسپ بحث ہے قیمت صرف ۵/
مجموعہ سورۂ فاتحہ کی سیاسی تفسیر وغیرہ	از حضرت علامہ غازی مولانا محمد بن عبداللہ منصور انصاری مدظلہ۔ جنگ و خونریزی۔ فتنہ و فساد کا ذمہ دار مذہب ہے یا سیاست؟ فطری حکومت کونسی ہے اور غیر فطری کونسی؟ فطری شاہنشاہ عقل و فکر کی روشنی میں۔ اس قسم کے عجیب و غریب سوالات کا مدلل اور دلاویز جواب دینے کے بعد سورہ فاتحہ کی اس طرح تفسیر کی گئی ہے کہ اسلام کا نظام حکومت واضح ہو کر سامنے آجاتا ہے اور بے اختیار دل داد تحسین پر مجبور ہو جاتا ہے قیمت ۵/
امامت امت کا دستور اساسی	حضرت علامہ غازی مولانا محمد بن عبداللہ منصور انصاری مدظلہ نے قرآن پاک اور احادیث کی روشنی میں قانونی اصطلاحات کے بموجب اسلامی حکومت کا نظام اور دستور مرتب کیا ہے اور علماء ملت سے اسکے متعلق استفسار فرمایا ہے۔ صفحات ۶۰ قیمت ۱/
النور الفائض علی علم الفرائض	مؤلفہ سیدنا حضرت علامہ مولانا سید نور شاہ صاحب قدس سرہ العزیز علم فرائض کے اصول کے متعلق بہترین فارسی نظم ہے۔ اسکے یاد کر لینے پر طلباء و علماء کے لئے علم فرائض بالکل سہل ہو جاتا ہے۔ قیمت صرف ۲/ (علاوہ محصول ڈاک)
اربعین یعنی تصویر اسلام	مؤلفہ حضرت علامہ سید فخر الدین احمد صاحب شیخ الحدیث جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مراد آباد۔ یہ کتاب تقریباً ڈھائی سو احادیث اور چالیس آیات کریمہ پر مشتمل ہے ان احادیث و آیات سے اسلام کی تمام اخلاقی اعتقادی اور ایمانی تعلیمات کا نقشہ عام فہم اور سلیس پیرایہ میں کھینچ دیا گیا ہے۔ ہر مسلمان کو اس کا مطالعہ از بس ضروری ہے۔ قیمت صرف ۶/ - یہ اور تمام کتابیں ملنے کا پتہ:-

کتب خانہ فخریہ امروہیہ گیٹ۔ مراد آباد

حصّہ چہارم

معرکۂ حریت

۱۸۵۷ء کی خونیں داستان

وجوہات- تاریخ کا پہلا سوال یہ ہوتا ہے کہ "یہ واقعہ کیوں ہوا- ؟
علمار ملت کی گذشتہ تاریخ سے معلوم ہوچکا کہ -

(۱) علمار ملت کا حکومت کے متعلق ایک خاص نظریہ ہے

(۲) سیدنا شاہ ولی اللہ صاحب کا نسبی اور علمی سلسلہ اس نظریہ کی اشاعت کے لئے ازل سے نامزد کردیا گیا تھا- ایک مدبر اور مفکر عالم کے تصور میں ایسا اسلام کبھی بھی نہیں آسکتا جو حکومت سے محروم ہو- اسلام اور غلامی - یہ تصور ایسا ہی ہے جیسے آفتاب کا تصور نور کے بغیر-

آپ نے خیال فرمایا کہ شیعہ سنی چپقلش سے تنگ آکر ارکین دولت تو اس مضحکہ خیز اعلان پر راضی ہوچکے تھے کہ "حکم انگریز بہادر کا اور ملک بادشاہ سلامت کا" لیکن سیدنا شاہ عبدالعزیز صاحب قدس اللہ سرہ العزیز کا مفکر اور سنجیدہ دماغ اس اعلان کی معقولیت کے تصور ہی قاصر رہا- آپنے یہ ہی فیصلہ دیا کہ "ہندوستان دار الحرب ہے-
جو مذہب - نماز اور جماعت کے ذمہ دار اور حکومت کے ذمہ دار

کو ایک ہی لفظ یعنی "امام" سے تعبیر کرے۔ دونوں ذمہ داریاں ایک ہی شخص کے متعلق کرے۔ اور پھر نماز کی ذمہ داری کو امامت صغریٰ "چھوٹی امامت" اور حکومت کی ذمہ داری کو "امامت کبریٰ" "بڑی امامت قرار دے۔

کیا اوس کے نزدیک اسلام بلا حکومت یہی حیثیت نہ رکھے گا جو نماز بلا جماعت کی حیثیت ہو۔ امام اعظم ابو حنیفہ رح نے تو نماز کے امام کو بھی اسی طرح مقتدیوں کا "ولی" قرار دیا ہے جیسے اسلامی نظر میں حاکم وقت اپنی رعایا کا "ولی" قرار دیا گیا ہے۔

اور کیوں نہ ہو۔ جب خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امام کے ہوتے ہوئے امام کی قرأت کو مقتدی کے لئے کافی قرار دیا ہے۔ او امام کو "ضامن" بتایا

ناظرین کرام | آپ نے خیال فرمایا۔ شریعت نے اسلام کو شخصی عقیدہ نہیں قرار دیا۔ بلکہ شخصی فرض یعنی نماز کو امام پر موقوف رکھا۔ اور نماز کا امام اسی کو قرار دیا جو حکومت کا امام اور نظام حکومت کا ذمہ دار ہو۔ مطلب یہ ہے کہ اس شخصی عقیدہ اور فریضہ کو۔ اجتماعی فریضہ۔ اور اجتماعی نظام کے مقتدا پر موقوف کر دیا۔

کیا اب بھی ممکن ہے کہ اسلام بلا امام تصور میں آجائے۔ یہ تو کہہ سکتے ہو کہ اسلام ایک سیاسی نظام ہے۔ جو سیاست کے ساتھ انسانیت اور روح انسانیت کو راحت و اطمینان۔ سعادت اور فلاح۔ عروج

اور کمال۔ کی لانہ وال دولت سے ہم کنارہ کرتا ہے
لیکن کفر ہوگا اگر یہ کہنے لگو کہ اسلام سیاست سے الگ۔۔ انتہائی نہیت کا پشتانزہ ہے۔

جہاد ۱۲۸۳ کا پہلا سبب بلا شبہ اسلام کا یہی تصور حضرت سید صاحب قدس سرہ العزیز کے تمام غزوات کا اصلی منشا تھا۔ اور پھر اسی تصور نے ایک مضطرب روح بنکر مجاہدین ملت کو ۱۲۸۳ تک مصروف جد وجہد رکھا۔ البتہ ۱۲۸۳ تک جہاد کا مرکز کوہستانی علاقہ تھا۔ اور اب یہ ولولہ سارے ہندوستان میں عام ہو گیا تھا۔

مگر اس کو عام کس نے کیا۔ اور پورے ہندوستان میں مبلغ حریت کون بنا۔ اس کے لئے حضرت سید صاحب کے خلفاء کے حالات کا مطالعہ کرو۔

ہمیں افسوس ہے کہ اس رسالہ کو ہم زیادہ طویل نہیں کر سکتے۔ ہم اس فرض کو ناظرین کرام کے حوالہ ہی کرتے ہیں کہ وہ اوس زمانہ کے علماء کرام کے حالات کا تجسس کریں۔ مشہور اور مقتدر علماء میں سے شاید کوئی ہوگا۔ جس کا دماغ ولولۂ حریت کا قندیل نہ بنا ہو۔ انتہا یہ کہ وہی مولانا فضل حق صاحب خیرآبادی۔ جو حضرت مولانا اسمعیل صاحب شہید رحمۃ سے برسر پیکار رہتے۔ آج وہ رسالہ جہادیہ تحریر فرما کر انگریزوں کے مقابلہ میں جہاد واجب اور فرض قرار دے رہے ہیں۔ اور پھر جرم حریت کی پاداش میں جلا وطن کئے جارہے ہیں۔

"مسٹر جیمس او کینیلی" نے (جو مسلمان باغیوں کی تحقیقات کے لئے مقرر ہوا تھا اور جسکی تحقیقات کے سلسلہ میں بہت سے مسلمان عبور دریائے شور کئے گئے تھے) کلکتہ ریویو ۱۸۷۰ء میں ایک سلسلۂ مضامین شائع کیا جسمیں وہ لکھتا ہے۔

"میرے نزدیک مسلمان کاشتکاروں پر وہابیوں کے عقیدہ کا اثر اس وجہ سے ہے کہ ہم نے اونکی تعلیم سے غفلت کی ہے۔ ہماری حکومت میں اونچے طبقہ کے لوگوں کے لئے ذرائع معاش کا نہ ہونا اونکے لئے کسقدر مضر ہے۔ جنکی تعلیم کا انتظام ہمارے اسکولوں میں نہایت کمی کے ساتھ ہے۔ انبالہ کی سازش کے مقدمہ میں ایک ملزم مسمیٰ عثمان علی نے بیان کیا کہ تین سال کا عرصہ ہوا کہ میں جسور میں امین عدالت دیوانی سے ملا تھا۔ اوس نے مجھ سے پوچھا کہ تمہارا کیا حال ہے۔ میں نے کہا بہت خراب ہے۔ امیر امین صاحب نے مجھکو مشورہ دیا کہ تم لکھے پڑھے شخص ہو قرآن شریف لیکر دیہات میں چلے جاؤ اور وعظ کہکر لوگوں کو جہاد پر جانے کی ترغیب دو۔ چنانچہ میں نے یہی کیا اور لوگوں نے مجھے روپیہ دیا۔ تمام ملک میں اسی قسم کے لوگ پھیلے ہوئے ہیں۔ جو دیہاتیوں کو بھڑکاتے رہتے ہیں جنھوں نے بغاوت سے ثابت کر دیا کہ بزدل بنگالی (مسلمان) خاص حالات میں افغانوں کی طرح خونخوار ہو کر لڑتے ہیں[1]"

[1] روشن مستقبل صفحہ ۱۶۴ و صفحہ ۱۶۷

حضرت سید صاحبؒ کی تحریک جسکو ہم پہلے ایشیائی فیڈریشن یا
ممالک اسلامیہ کے فیڈریشن کی تحریک کہہ آئے ہیں وہ اوسوقت
بار آور نہ ہوسکی۔ مقدر یوں ہی تھا کہ کامیابی سے پیشتر حضرت سید صاحب
شہید ہو جائیں اور یہ عظیم الشان تحریک ناتمام رہجائے۔
لیکن اوسکا نتیجہ یہ ضرور ہوا کہ ایران اور افغانستان وغیرہ
میں بیداری پیدا ہوگئی۔
اور انگریزی درندوں کی بھیڑ جو یاجوج ماجوج کی طرح افغانستان
اور ایران کی طرف بڑھتی جارہی تھی۔ وہ صرف ہندوستان تک محدود
ہوگئی۔
پنڈت کنھیالال مصنف "تاریخ بغاوت ہند" مسمی بہ محاربۂ عظیم
نے انگریزی فوج کے افسروں کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ
جب انگریزی فوج نے مقام محمرہ "فوج ایران پر فتح پائی تو
شاہزادہ کے خیمہ سے ایک اشتہار برآمد ہوا۔ جس پر شاہ ایران کے
دستخط بھی تھے۔
پنڈت صاحب نے اوس اشتہار کا ترجمہ نقل کیا ہے۔ جو بہت
طویل ہے۔ اوسمیں انگریزوں کے حملہ دیہاتیوں اور جاہل قبائل کے
اغوا وغیرہ بیان کرنے کے بعد باشندگان ملک کو جہاد کی ترغیب ہے۔
علماء اور واعظین کو حکم ہے کہ وہ مساجد میں اور جرگہ کے موقعوں پر جہاد
کے وعظ کہیں اور پھر تقریباً ایک لاکھ فوج کو مختلف سمتوں میں روانہ

کمپنی کی اطلاع ہے۔ اوسکے بعد تحریر ہے۔

اور بنام احتشام السلطنت حکم ہوا ہے کہ براہ کچ اور کلرا۔ جو واقع ملک سندھ ہیں۔ اور بنام سرداران افاغنہ مثل سردار سلطان احمد خاں۔ سردار شاہ دولہا خاں۔ و سردار محمد عالم خاں۔ حکم نافذ ہوا ہے کہ براہ افغانستان۔ تیس ہزار فوج معہ چالیس ضرب توپ و دیگر سامان ہتیار حرب و ضرب، ہمراہ لیکر بجانب ہندوستان روانہ ہوں اور بفضل الٰہی امید ہے کہ اس فوج قہار کو فتح حاصل ہوگی۔

اب یہ امر ضروری ہے کہ اخوان افاغنہ و دیگر باشندگان افغانستان جو ہم مذہب ایرانیوں کے ہیں۔ شریک جہاد ہوں۔ اور دستیاب امداد برادرانہ روانہ کریں۔ وغیرہ۔ اور اس خوشخبری کے پانیکے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد پر عمل پیرا ہوں کہ جو مسلمان ہیں وہ آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ اس فساد کو فرو کرنے کے لئے صرف یہی ضروری نہیں کہ حق پرستوں کا ایک جزوی گروہ ہی محافظ دین رہے۔ بلکہ تمام باشندگان ممالک کو ہمارے حکم کی متابعت کرنی چاہیئے۔ اور یہ بھی واضح رہے کہ شہنشاہ ایران کا یہ ارادہ ہرگز نہیں کہ افغانستان کی جانب ملک گیری کرے۔ بلکہ یہ خواہش ہے کہ ملک قندھار سردار رحمدل خاں اور خاندان کہن دل خاں کو ملے۔ اور حاکم کابل اپنے ملک .... مقبوضہ و مفتوحہ پر حکمراں رہیں۔

ہمارا انتشا صرف یہ ہے کہ دشمنان دین کے خلاف سب متفقہ نہایت

اور ہمیں یقین ہے کہ اس اشتہار کے ملاحظہ کے بعد سردار دوست محمد خاں امیر کابل۔ جنکی دلی خواہش ہمیشہ سے یہ تھی کہ فوج ایران افغانستان کی طرف متوجہ ہو۔ اور سلطنت ایران سے رابطہ دوستی واتحاد پیدا ہو۔ تاکہ اس صورت سے مخالفین کے مقابلہ پر اون کی سلطنت کا استحکام ہو۔ وہ اس امر خیر میں ہمارے شریک ہوں گے۔ اور ایک گروہ کے سرپرست ہوکر "غازی ہندوستان" کہلائیں گے کیونکہ یہ قیاس سے خارج ہے کہ وہ کسی ایسی قوم کی دوستی کو پسند کریں کہ جن کے بغض وعداوت کی تصریح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما چکے ہیں۔

اور یہ بھی عقل گوارہ نہیں کرتی کہ وہ دولت دنیا کیواسطے ایمان فروشی کریں گے۔

یہ اشتہار حق پرستوں کی اطلاع عام کے لئے شائع کیا گیا ہے۔ اور انشاء اللہ جمیع پیروان اسلام ساکن ہند وسندھ بھی ہمارے شریک ہوں گے۔ اور اس قوم نصاریٰ سے ادن کی اون زیادتیوں کا انتقام لیں گے جو اسلام اور مسلمانوں کے متعلق اوس نے روا رکھی ہیں۔[1]

حضرت سید صاحب کے اعلان نامے جو مختلف اوقات میں۔

---

[1] صفحہ ۵ و ۶ و ۷۔ تاریخ بغاوت ہند (ملخصاً)

شائع کئے گئے۔ اور وہ خطوط جو مسلمان فرمانبرداروں کے پاس بھیجے گئے۔ اونکو سوانح احمدی ہیں درج کیا گیا ہے۔

اسمیں شک نہیں کہ خلوص اور پابندی شریعت شاہ ایران کی بہ نسبت سید صاحب کے ہر ہر جملے سے کہیں زیادہ نمایاں ہے۔ مگر مضمون یہی ہے۔ بلکہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہی تعلیم ہے جسکو آج شاہ ایران پیش کر رہے ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ علمار کو سیاست سے کیا واسطہ۔ اون کے سادہ دماغ سیاست کی گتھی کس طرح سلجھا سکتے ہیں۔ مگر ایک سے زائد نظیریں شہادت دے رہی ہیں کہ علمار وہ دیکھ لیتے ہیں جو غیر عالم سالہا سال دھکے کھا کر سمجھتے ہیں۔

جو چیز آج شاہ ایران ظاہر کر رہے ہیں۔ کاش پندرہ سولہ سال پیشتر۔ حضرت سید صاحب کی دعوت کے وقت ظاہر کی گئی ہوتی تو یقیناً بر محل تھی۔

انگریزی اقتدار نے استقدر رسوخ نہیں حاصل کیا تھا۔ سکھ حکومت پنجاب میں موجود تھی وغیرہ وغیرہ۔ مگر افسوس

پس مردن بنائے جائینگے صاغر مری گل کے
لب جاں بخش کے بوسے ملینگے خاک میں مل کے

بہرحال سید صاحب کی تحریک کا اثر نیز وقت کا ایک تقاضہ تھا جو شاہ ایران کے اعلان سے ظاہر ہوا۔

اب ایک اعلان ہندوستان کے ایک بزرگ کا بھی ملاحظہ فرمایئے۔

حضرت مولانا لیاقت علی صاحب الہ آبادی نے ایک رسالہ نثر میں تحریر فرماکر شائع کیا تھا۔ اوس کے ساتھ یہ اردو نظم شائع فرمائی

رسالہ جہادیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بعد تحمید خدا و نعت رسول اکرم — یہ رسالہ ہے جہادیہ کہ لکھتا ہے قلم

واسطے دین کے لڑنا نہ پے طمع بلاد — اہل اسلام کے شرع میں کہتے ہیں جہاد

ہے جو قرآن و احادیث میں خوبی جہاد — ہم بیان کرتے ہیں تھوڑا سا اُسے کرلو یاد

فرض ہے تم پر مسلمانو! جہاد کفار — اسکا سامان کرو جلد اگر ہو دیندار

جسکے پیروں پہ پڑی گرد صف جنگ جہاں — وہ جہنم سے بچا نار سے ہے وہ آزاد

جو مسلمان رہ حق میں لڑا لحظہ بھر — روضۂ خلد بریں ہو گیا واجب اوسپر

اے برادر تو حدیث نبوی کو سن لے — باغ فردوس ہے تلواروں کے سایہ کے تلے

دے اس راہ میں پیسہ کوئی دیویگا اگر — سات سو اوسکو خدا دیویگا روز محشر

زر بھی گر خرچ کیا اور لگائی تلوار۔ — پھر تو دیویگا خدا اوسکے عوض سات ہزار

جو کہ مال اپنے دے بناوے غازی کو اسباب — اوسکو بھی مثل مجاہد کے خدا دیویگا ثواب

لہ تاریخ بغاوت ہند صفحہ ۳۰۸ -

جو نہ خود جائے لڑائی میں نہ خرچے کچھ مال — اوسپہ ڈالیگا خدا پیشتر از مرگ وبال

جو رہ حق میں ہوئے ٹکڑے نہیں مرتے ہیں — بلکہ وہ جیتے ہیں جنت میں خوشی کرتے ہیں

مدت العمر کے مٹتے ہیں گناہ شہدا — کیوں نہ ہو جنگ میں کٹواتے ہیں سر بہر خدا

فتنۂ قبر و غم صور و قیام محشر — ایسے صدموں سے شہیدونکو نہیں کچھ ڈر

حق تعالیٰ کو مجاہد وہ بہت بھاتے ہیں — مثل دیوار کے صف باندھ کے جو جم جاتے ہیں

اے مسلمانو سنی تم نے جو خوبی جہاد — چلو اب ارن کیطرف مت کرو گھر بار کو یاد

مال و اولاد کی اور گھر کی محبت چھوڑ دو — راہ مولیٰ میں خوشی ہو کے شتابی دوڑو

گر پھرے جیتے تو گھر بار میں پھر آوگے — اور گئے مارے تو جنت کو چلے جاؤگے

دین اسلام بہت سست ہوا جاتا ہے — غلبۂ کفر سے اسلام مٹا جاتا ہے

پیشوا لوگ اسی طرح جو کرتے نہ جہاد — ہند پھر کسطرح اسلام سے ہوتا آباد

نہ وہ شمشیر سے غالب رہا اسلام مدام — سُنّی گر اگلے بھی کرتے تو ہوتا گمنام

کب تلک گھر میں پڑے جوتیاں چٹخاؤگے — اپنی سُستی کا جز افسوس نہ پھل پاؤگے

اب تو غیرت کرو نامردی کو چھوڑو یارو — چلو مل کے امام اپنے سے کافر مارو

بارہ سو برس کے بعد آئی یہ دولت آگے — حیف اس دولت بیدار سے مومن بھاگے

تھے مسلمان پریشان بغیر از اسباب — شکر سب تو نے دیا اے مرے رب الارباب

یعنی اسباب لڑائی کا جو کچھ تھا درکار — سب دیا تو نے ہمیں کیا پھر سردار

بات ہم کام کی کہتے ہیں سنو یارو — وقت آیا ہے کہ تلوار کو بڑھ بڑھ مارو

رسالہ نثر میں اسی مضمون کا اعادہ ہے۔ البتہ اوس کے چند جملے انگریز کی اسلام دوستی پر ایک ہلکی سی روشنی ڈالتے ہیں۔

جو بدعات ظلم و فساد ساری سلطنت ہندوستان میں خصوصاً ضلع الہ آباد میں کفرہ فجرہ نصاریٰ کا بالعموم اوپر ہر ایک مؤمن متبع اسلام کرام کے - از قبیل غارتگری و آتشزدگی و قتل و پھانسی و کندیدگی مکان (مکان اکھڑوا ڈالنا) و چھاپہ زنی - و خون ریزی علماء و مشائخ و احراق کلام اللہ و احادیث و کتب فقہ (کلام اللہ شریف و احادیث و کتب فقہ کا جلانا) وغیرہ ہو رہا ہے اظہر من الشمس ہے -

چند سطور بعد کی عبارت سے اس جہاد حریت کی حیثیت کا اندازہ ہوتا ہے - تحریر ہے -

"جہاد میں بڑا سامان یہ ہے کہ بندے توکل بخدا کریں - اور امداد جانب خالق کون و مکاں سے ہو سوا امداد غیبی صریح ظاہر و باہر ہے کہ مسلمان ہندوستان کہ بوجہ بے استطاعتی زر و عدم موجودگی گولہ و بارودت و توپ و لشکر مجبور و ناتواں ہو رہے تھے - سو اوس خالق احد اللہ الصمد نے دین احمد صلی اللہ علیہ وسلم کو جیسا کہ باطنی قوی و توانا کیا ہے ویسا ہی ظاہری سب سامان واسطے تسکین خاطر فاطر ہم ضعفا و مساکین و امداد دین متین انھیں نابکار نصاریٰ بد اطوار سے بلا سبب و کوشش ہم لوگوں کے دلوا دیا - چنانچہ لشکر سوار و پیادہ - توپ گولہ و بارودت و زر کثیر - خصوصاً قطعہ شیعہ علیہ حضرت فرمانروائے کشور ہند ظل سبحانی خلیفہ رحمانی - بادشاہ دہلی - خلد اللہ ملکہ و سلطنتہٗ و عموماً امداد عساکر و توپ و میگزین - جناب برجیس قدر دام اللہ حشمتہم والی لکھنؤ سے اور ہمراہی تمام راجگان قلمرو لکھنؤ و راجگان فر

وجوار الہ آباد وغیرہ اور اتحاد و اتفاق سارے ہندوستان میں باوصف ہوئے اختلافات اقوام و مذاہب کے جو یہ سب دلائل کامل و براہین مدلل کمر بندی اوپر اس قوم نصاریٰ طاغی، باغی کے ہیں الخ[1]

مذکورہ بالا تحریر سے علماء اسلام کی جد و جہد کا اور مسلمانوں کے ولولۂ جہاد کا کافی اندازہ ہو چکا ہوگا

اس قسم کے بہت سے فتاوی اوس زمانہ میں شائع کئے گئے۔ اور ایک خاص جذبہ عام طور پر پیدا کر دیا گیا تھا۔ جسکا اندازہ مندرجہ ذیل دو شہادتوں سے ہو سکتا ہے۔

(۱) مسٹر ای۔ سی۔ بیلی۔ سکریٹری گورنمنٹ ہند نے لکھا تھا۔

ان کی مذہبی دیوانگی جس کے لئے قرآن شریف سے کافی سند مل سکتی ہو بہت بھڑکا دی گئی ہے۔ یہانتک کہ اب اندیشہ ہے کہ کل مسلمان بہت جلد باغی ہو جائیں گے۔ جنمیں ناراض مذہبی مجنون جہلا اور تنگ نظری کی تعلیم پاتے ہوئے علماء شامل ہوں گے جو دراصل طرز پر حکومت سے ناراض ہیں اور جاہل مسلمانوں پر بے حد اثر رکھتے ہیں (مسلمانان ہند از ڈاکٹر ہنٹر بحوالہ روشن مستقبل صفحہ ۱۰)

(۲) ڈاکٹر ہنٹر نے لکھا ہے۔ سب سے اول شمالی ہند کے مسلمان علماء نے حکومت کے خلاف جہاد کرنے کے جواز کا فتویٰ جاری کیا۔ اوس کے بعد مسلمانان بنگال نے اسی مضمون پر ایک رسالہ جاری کیا اور

---

[1] تاریخ بغاوت ہند صفحہ ۳۰

شیعہ جو تعداد میں تھوڑے ہیں وہ بھی اپنے خیالات کی اشاعت کرنے نہ رک سکے (مسلمانانِ ہند از ڈاکٹر ہنٹر بحوالہ روشن مستقبل صفحہ ۱۰۸)

دوسرا باب

لیکن یہ سوال باقی رہا کہ ہندوستان کے راجگان اور مہاراجگان اور دیگر اقوام کی شرکت اور اون سب کے اتفاق و اتحاد کا سبب کیا تھا آج ہم دیکھتے ہیں کہ وہی مرہٹے جو سلطان عالمگیر سے مصروف پیکار رہے شاہ دہلی کے سبز جھنڈے کے نیچے اپنی جانیں قربان کر رہے ہیں۔ اور اپنی ساری خودسری کو چھوڑ کر بادشاہ دہلی کے فرمان کی تعمیل میں سر بکف حاضر ہیں۔

اس سوال کا جواب ہم تفصیل سے پیش کرتے۔ مگر ہمارے اس رسالہ کا مقصود حضرات علماء کی خدمات سے متعلق ہے۔ اگر توفیق الٰہی نے امداد فرمائی تو اس تمام تفصیل کو دوسرے رسالہ "داستان بربادی" میں انشاء اللہ پیش کریں گے۔ جسکا تقریباً نصف حصہ زیر تحریر آچکا ہے

یہاں ہم "اسباب بغاوت ہند" مصنفہ سر سید احمد خاں صاحب مرحوم کا مختصر خلاصہ پیش کئے دیتے ہیں۔

اسباب بغاوت ہند میں اگرچہ ابتداءً اس بات کو ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ بغاوت ہنگامہ روس و ایران کی سازش کا نتیجہ نہ تھی اور نہ بادشاہ دہلی کی سازش یا اودھ کی ضبطی بھی اسکا باعث نہ تھی۔ اور نہ مسلمانوں کی کوئی سازش جہاد کے متعلق ملک میں تھی۔

مگر ہم اس تمام عبارت کو وقتی مصلحت کا تقاضہ یقین کرتے ہیں۔
اس کے بعد سرسید مرحوم نے مندرجہ ذیل اسباب قرار دے ہیں۔
(۱) ہندوستان کی رعایا روز بروز مفلس ہوتی جاتی تھی ٹیکس کی زیادتی نے زمینداروں اور کاشتکاروں کو تباہ کر دیا تھا۔ بقایا وصول کرنے کے لئے زمینداریاں نیلام کرائی جاتی تھیں جو ہندوستان میں بالکل نیا دستور تھا اور اس کا اثر بالخصوص مسلمانوں پر زیادہ پڑا تھا ولایتی مال کی آمد نے اہل حرفہ کو برباد کر دیا تھا۔ حتیٰ کہ سوئی یا دیا سلائی بنانے والا بھی ہندوستان میں کوئی نہ رہا تھا۔ بایں ہمہ حکومت نے پراپسری نوٹ جاری کر دئے جس پر بنک سے سود وصول کیا جاتا تھا۔ جس سے ملک اور بھی نیلام مفلس اور محتاج ہوتا جا رہا تھا۔
اگلی عملداریوں میں شاہی انعام واکرام آسودگی رعایا کا ایک مستقل ذریعہ تھا۔ جب شاہجہاں تخت پر بیٹھا تو صرف تخت نشینی کے دن چار لاکھ بیگہ زمین اور ایک سو بیس گاؤں جاگیریں اور لاکھوں روپیہ انعام دئے تھے یہ بات ہماری گورنمنٹ میں یک قلم مسدود تھی۔ بلکہ پہلی جاگیریں بھی ضبط ہو گئی تھیں۔ اس عام افلاس کا نتیجہ تھا کہ جب باغیوں نے لوگوں کو نوکر رکھتا چاہا تو جیسے بھوکا آدمی قحط کے دنوں میں اناج پر گرتا ہے۔ اسی طرح یہ لوگ نوکریوں پر جا گرے۔ بہت سے آدمی صرف آنہ یومیہ پر نوکر ہوئے تھے اور بہت سے آدمی سیر ڈیڑھ سیر یومیہ اناج پاتے تھے۔
آخر میں سرسید نہایت جوش کے ساتھ لکھتے ہیں۔

غرضکہ ملک ہر طرح سے مفلس ہوگیا تھا۔ اگلے خاندان جنکو ہزاروں کا مقدور تھا معاش سے بھی تنگ آ گئے تھے اور یہ اصلی سبب ناراضگی رعایا کا گورنمنٹ سے تھا۔ لوگوں کے دل جو تبدیلی عملداری کو چاہتے تھے۔ اور نئی عملداری کے لئے راغب اور دل سے اوس سے خوش تھے۔ میں سچ کہتا۔ ہوں کہ اسی سبب سے تھے۔ ہم سچ کہتے ہیں۔ اور پھر ہم سچ کہتے ہیں اور ہم بہت سچ کہتے ہیں۔ کہ جب افغانستان سرکار نے فتح کیا تو لوگوں کو بڑا غم ہوا۔ کیا سبب تھا؟ صرف یہ سبب تھا کہ اب مذہب پر علانیہ دست اندازی ہوگی۔ جب گوالیار فتح ہوا۔ اور دھ لیا گیا تو لوگوں کو کمال رنج ہوا۔ کیوں ہوا؟ اس لئے ہوا کہ ان پاس کی ہندوستانی عملداریوں سے ہندوستان کو بہت آسودگی تھی۔ نوکریاں ہاتھ آتی تھیں۔ ہر قسم کی ہندوستانی اشیاء کی تجارت بکثرت تھی۔ اون عملداریوں کے خراب ہونے سے زیادہ افلاس اور محتاجی ہوتی جاتی تھی۔ [1]

عدل وانصاف ٹیکس اور حکام کی بدمزاجی

چند قوانین برخلاف رواج اور مخالف طبیعت ہندوستانیوں کے صادر ہوئے۔ جنکی وجہ سے رعایا ہماری گورنمنٹ کو میٹھے زہر یا شہد کی چھری یا ٹھنڈی آنچ کی مثال دیا کرتی تھی اور کہتی تھی کہ ہم آج گورنمنٹ کے ہاتھ سے بچے ہوئے ہیں تو کل نہیں۔ اور کل بچ رہیں تو برسوں نہیں۔ اور پھر اوس پر اضافہ یہ ہوا کہ

---

[1] اسباب بغاوت ہند صفحہ ۳۵-۳۶-۳۷- (ملخصاً)

باوجود ہندوستانیوں کی مفلسی کے عدالت کی چارہ جوئی پر اسٹامپ لگایا
گیا جو ناقابل برداشت تھا۔ ؎
حال کے جو حکام ہیں۔ کیا اون کے غرور اور تکبر نے تمام ہندوستانیوں
کو اون کی آنکھوں میں ناچیز نہیں کر دیا ہے۔ کیا اون کی بدمزاجی اور بے
پرواہی نے ہندوستانیوں کے دل میں بیجا دہشت نہیں ڈالی ہے۔ کیا
ہماری گورنمنٹ کو معلوم نہیں ہے کہ بڑے سے بڑا ذی عزت ہندوستانی
حکام سے لرزاں اور بے عزتی کے خوف سے ترساں تھا۔ اور کیا یہ
بات چھپی ہوئی ہے کہ ایک اشراف اہلکار صاحب کے سامنے مثل پڑھ
رہا ہے۔ اور ہاتھ جوڑ جوڑ کر باتیں کر رہا ہے۔ اور صاحب کی بدمزاجی
اور سخت کلامی بلکہ دشنام دہی سے دل میں رو رہا جاتا ہے۔ اور کہتا ہے
کہ ہائے افسوس روٹی اور کہیں نہیں ملتی اس نوکری سے تو گھاس

؎ بحوالۂ روشن مستقبل صفحہ ۲۶۲ ۵۵ اس کے برعکس ہندوستان کا قدیم طریقہ نہایت
سہل تھا۔ ہر ایک زمیندار اور ہر ایک گاؤں ایک چھوٹی سی سلطنت ہوتا تھا۔ سبکی رضامندی
سے ایک شخص سرپنچ ہوتا تھا۔ وہی تمام جھگڑوں کا فیصلہ کرتا تھا۔ چودھری اوسکے مشیر ہوتے تھے
کسی مقدمہ نے زیادہ طول کھینچا تو کسی بڑے گاؤں کے مقدم یا سردار کے حکم سے فیصلہ ہو گیا۔ اس
صورت سے عدالت کا کوئی خرچ پبلک کو برداشت نہ کرنا پڑتا تھا۔ بہت کم اور شاذ
و نادر واقعات ایسے ہوتے تھے کہ شہر کے قاضیوں یا ججوں تک اونکو پہونچایا جائے۔ وہ
دیہات کے چودھری اور سرپنچ ہر ایک شخص کو خوب جانتے اور پہچانتے تھے لہذا اونکا فیصلہ بھی جچا تلا
ہوتا تھا۔ اور ایسا کہ اونکے برخلاف فریق کو مخالفت کی گنجائش نہ رہتی تھی۔ یہ مقدم اور سرپنچ ہر گاؤں
والے کو اپنا عزیز جانتے تھے۔ اور ہر گاؤں والا باپ کیطرح اونکا احترام کرتا تھا۔ (ماخوذ از اسباب بغاوت
ہند وغیرہ

گھاس کھودنی بہتر ہے۔ ؎۱

(۳) سب کو یقین تھا کہ سرکار ہندوستانیوں کو مفلس کرکے عیسائی بنائے گی جسطرح ۱۸۳۷ء کے قحط میں یتیم بچوں کو عیسائی بنالیا تھا۔ اور جسطرح عربی اور سنسکرت علم کو نابود کردیا تھا۔

پادری گورنمنٹ سے تنخواہ پاتے تھے افسران مقررہ اپنے ماتحتوں سے مذہبی باتیں کرتے تھے۔ اپنی کوٹھیوں پر بلوا کر پادریوں سے تلقین مذہب کراتے تھے۔ اس بات نے یہانتک ترقی پکڑی تھی کہ کوئی نہیں جانتا تھا کہ انگریز کی عملداری میں ہمارا یا ہماری اولاد کا مذہب قائم رہے گا۔ ؎۲

تکرار مذہب کی کتابیں بطور سوال و جواب کے مفت تقسیم ہوتی تھیں جن میں دوسرے مذاہب کے پیشواؤں کی توہین ہوتی تھی۔ پادری لوگ پولیس کے کانسٹبلوں کو ساتھ لیکر میلوں میں ہندوؤں کی کتھاؤں اور مسلمانوں کی مجالس وعظ وغیرہ میں جاکر اعتراضات کرتے تھے۔ اور مذہبی پیشواؤں کی برائی اور ہتک کرتے تھے۔ جس سے لوگوں کو دلی تکلیف پہونچتی تھی۔ مگر خوف

؎۱ اسباب بغاوت ہند صفحہ ۲۲، ۲۳ - ۱۰۔ ؎۲ مسٹر ای۔ سی۔ بیلی اور ڈاکٹر ہنٹر کے ارشاد چند صفحے پیشتر گذر چکے ہیں۔ جس میں علمائے اسلام کو مذہبی جنون، دیوانہ تنگ نظر۔ اور اون کے ماننے والوں کو جاہل وغیرہ کہا گیا ہے۔ مگر دریافت طلب یہ ہے کہ مسٹر بیلی اور ہنٹر کی برادری کیا کررہی تھی۔ کیا اس بیزاری کا کوئی جواب ہو سکتا ہے۔ ۱۰

کے باعث خاموش رہتے تھے۔

مشنری اسکول بہت جاری ہوئے۔ اور ان میں مذہبی تعلیم شروع
ہوئی۔ سب لوگ کہتے تھے کہ سرکار کی طرف سے عیسائی بنانے کا جال ہے
بعض اضلاع میں بڑے بڑے حکام ان اسکولوں میں جاتے تھے۔ اور
لوگوں کو اس میں داخل و شامل ہونے کی ترغیب دیتے تھے امتحان مذہبی
کتابوں میں لیا جاتا تھا۔ اور طالب علموں سے جو کم عمر بچے ہوتے تھے پوچھا
جاتا تھا کہ تمہارا خدا کون ہے۔ تمہارا نجات دلانے والا کون ہے۔ اور
اگر وہ عیسائی مذہب کے جوابات دیتے تھے۔ تو اون کو انعام ملتا تھا
لوگ [illegible] افلاس سے مجبور ہو کر بچوں کو کسی قابل بنانے کے لئے اون
اسکولوں میں داخل کرتے تھے۔

لڑکیوں کے اسکول جاری کئے گئے۔ لوگ یہ سمجھتے تھے کہ بے پردگی
اور بے مذہبی کی تمہید ہے۔ اور بعض اضلاع میں اس کا نمونہ بھی قائم ہو گیا
تھا۔ ان مدارس میں نئے افسر مدارس کی ترقی کو اپنی نیک فالی سمجھکر جائز اور
ناجائز دباؤ ڈالتے اور لڑکیوں کے اسکول قائم کرلیتے۔ ان ڈپٹی انسپکٹروں
کو لوگ کالے پادری کہتے تھے۔ انہی کے سارٹیفکٹ پر ملازمت موقوف
کر دی گئی تھی۔ معمولی ملازمت بھی ان کے سارٹیفکٹ کے بغیر نہ ملتی تھی۔
[illegible] کالجوں میں ایک ہاتھ کا پکا ہوا تمام کو کھلانے کی تجویز پاس ہوئی۔
جو مداخلت مذہبی تھی۔ ...... پادری ایڈمنڈ کی چٹھیاں سرکاری نوکروں کے
پاس بھیجی گئیں۔ جن میں [illegible] عیسائی مذہب اختیار کرنے کی پرزور فہمائش

تھی حتی کہ ہندو مسلمان سپاہیوں کو چربی کا کارتوس کاٹنے پر مجبور کیا گیا جس سے ہنگامہ کی ابتدا ہوئی لے

مصنف تاریخ بغاوت ہند لکھتا ہے "ہندوستانیوں کے مجمع میں یہ خیال پیدا ہوا تھا کہ لارڈ کیننگ گورنر جنرل اس بات کا بیڑا اٹھا کر آئے ہیں کہ ہندوستانیوں کو عیسائی مذہب میں داخل کر دیا گے اور ... گورنمنٹ سے وعدہ کیا ہے کہ تین سال کے عرصہ میں ولایت واپس ہو کر پہلے پہلے اس مہم کو انجام دے لیں گے - افواہ ہے کہ یہی خیال شاہ دہلی کی برہمی کا باعث ہوا - صفحہ ۲۲"

حکومت کی بیگانگی سب سے بڑا سبب یہ تھا کہ حکومت کی کونسلوں میں ہندوستانیوں کا کوئی حصہ نہ تھا جو اپنے درد دکھ کو پیش کر سکتے۔ حکام جابر، متکبر اور خود غرض ہوتے ہوئے ہندوستانیوں کی طبیعت - ان کے رجحانات اور ان کی ضرورتوں سے قطعاً ناواقف تھے - اعلیٰ ملازمتوں سے ہندوستانیوں کو یکسر محروم کر دیا گیا تھا -

حکام کے ڈر سے کسی سچی بات اور بالخصوص وہ بات جو حاکموں کے مزاج کے مخالف ہو سکے کسی کی ہمت نہ تھی - ہر شخص ملازم اور درباری رئیس ڈر کے مارے خوشامد کی بات کہتے تھے - نہ کوئی جدید قوانین کے نقصان بتانے والا تھا - نہ کوئی رعایا کا غم خوار - بجز ان کے ہو کے جو

لے اسباب بغاوت ہند از صفحہ ۱۷ تا صفحہ ۲۳ (مختصراً)

قتل کے اون کے بدن میں رہتا تھا۔ اور بجز اون کی بیکسی کے جسپر وہ
[illegible] کر چپ رہتے تھے [۱]

سر سید احمد خاں صاحب کے نزدیک۔ بغاوت کے جو اسباب
تھے اوس کی تصدیق مسٹر لیکی کے قول سے ہوتی ہے۔ جس کے الفاظ
یہ ہیں۔

اگر دنیا میں کوئی بغاوت حق بجانب کہی جا سکتی ہے تو وہ ہندوستان
کے ہندو مسلمانوں کی بغاوت تھی۔ [۲]

مجاہدانہ خدمات بلا شبہ اس جائز اور حق بجانب بغاوت یا جہاد
حریت میں سب سے زیادہ حصہ علمائے اسلام کا تھا۔ جیسا کہ مسٹر ای۔ سی۔
بیلی۔ سکریٹری گورنمنٹ ہند۔ اور ڈاکٹر ہنٹر کی گذشتہ تحریروں سے
معلوم ہو چکا ہے۔

لیکن اس کے علاوہ ملک میں اور طرح بھی منتظم سازشیں کی گئیں
انقلابی لوگ فقیرانہ لباس پہنکر شہروں میں جاتے تھے۔ تاکہ انتظام سرکار
میں خلل ڈالیں۔ اور ہندوستانی سپاہیوں کو باغی بنائیں۔ (تاریخ بغاوت
ہند صفحہ ۔)

اون میں سب سے پر لطف وہ سازش تھی جس میں چپاتیاں تقسیم
کی گئیں۔

---

(۱) اسباب بغاوت ہند بحوالہ روشن مستقبل صفحہ ۲۶۱۔ (۲) روشن مستقبل صفحہ ۲۶۶

جسکی تفصیل یہ ہے کہ فرخ آباد - گڑگانواں اور باندہ کے اضلاع میں چوکیداروں نے روٹیاں تقسیم کرنی شروع کیں - ایک گاؤں کا چوکیدار روٹیاں لیکر اپنے قریب کے گاؤں میں جاتا تھا - اور دو روٹیاں وہاں کے چوکیدار کو دیکر یہ کہتا تھا کہ چھ روٹیاں اور بنا کر قرب و جوار کے دیہات کے چوکیداروں کو فی نفر دو روٹی دیدو - اور پھر اس سلسلہ کو دوسرے گاؤں جاری کرنے کی ہدایت اور فہمائش کردو -

ہر ایک چوکیدار دو روٹیاں اپنے پاس رکھتا تھا کہ اگر کوئی حاکم یا افسر طلب کرے تو پیش کر سکے - جب ایک چوکیدار دوسرے کو روٹیاں دیتا تو اوس کی رسید گاؤں کے پٹواری سے حاصل کر لیتا تھا جسپر تھانہ کی تصدیق بھی ہوتی تھی -

چنانچہ ایک چٹھی صاحب مجسٹریٹ بہادر گڑگانوہ کو لکھی گئی کہ اس ضلع متھرا میں گیہوں کی کچھ روٹیاں اس غرض سے پہونچائی گئی ہیں کہ تمام ضلع میں تقسیم کی جائیں -

روٹیاں اس طرح تقسیم ہوتی ہیں - کہ جب کسی گاؤں میں یہ روٹیاں پہونچتی ہیں تو وہاں کا چوکیدار پانچ چھ ویسی ہی روٹیاں بناکر تقسیم کرتا ہے - اور اسیطرح یہ روٹیاں گاؤں در گاؤں پہونچ گئی ہیں - نہایت مستعدی اور عجلت کے ساتھ یہ روٹیاں تقسیم کی جارہی ہیں - [1]

---

[1] صفحہ ۱۱ تاریخ بغاوت ہند -

مارچ ۱۸۵۷ء تک یہ روٹیاں قریب قریب دہلی - لکھنؤ - اور علاقہ اودھ کے سارے روہیلکھنڈ بلکہ اوس تمام علاقہ میں جسکو اپر انڈیا کہتے ہیں تقسیم ہو چکی تھیں - ؎

مرسید نے اسکو ایک ٹوٹکا قرار دینا چاہا ہے - کیونکہ اوس زمانہ میں ہندوستان میں وبا بڑی پھیلی ہوئی تھی -

مصنف تاریخ بغاوت ہند لکھتا ہے -

ظاہر ہے کہ کوئی امر بہتر اس سے واسطے شامل کرنے تمام مسلمانوں کے ایک خاص امر میں - اور حسب دلخواہ عمل میں لانے اوس امر کے نہیں معلوم ہوتا - صفحہ ۱۲

مذکورہ بالا چھٹی - یا خود مصنف بغاوت ہند کے بیان میں یہ تذکرہ کہیں بھی نہیں کہ یہ روٹیاں خاص طور پر مسلمانوں کو تقسیم کی جاتی تھیں - بلکہ ظاہر تو یہ ہی ہے کہ تمام ہندوستانیوں کو بلا تفریق مذہب و ملت یہ روٹیاں دیجاتی تھیں -

ہمارے خیال میں روٹیوں کی تقسیم ہندوستان کے افلاس کی -

؎ تاریخ بغاوت ہند صفحہ ۱۱ ؎ پنڈت سندر لال صاحب جو تاریخ ہند کے بہترین مبصر ہیں - اور جن کی مشہور اور مستند کتاب "بھارت میں انگریزی راج" ضبط کر لی گئی تھی - نے اپنے لیکچر میں جو فیض آباد جیل میں سیاسی قیدیوں کے سامنے دیا تھا - فرمایا تھا - مولانا احمد علی شاہ صاحب جو فیض آباد کے رہنے والے تھے وہ روٹیوں کے ٹکڑے اور کنول کے پھول تقسیم کیا کرتے تھے - جنکا مقصد یہ تھا کہ یہ جنگ روٹی کے واسطے ہے احقر کے خیال میں کنول کے پھول کا لحاظ کرتے ہوئے ہندو دھرم کے بموجب یہ کہنا چاہیے کہ مقصد ؎

؎ یہ تھا کہ یہ جنگ روٹی اور مذہب سب کے واسطے ہے -

صرف اشارہ تھا جو ہندو مسلمان سب ہی کے لئے عام تھا۔ اور پھر عیسائی بنانے کے انگریزی جذبے نے ہندوستانیوں کو چھوت چھات کے اٹھا دینے پر مجبور کر دیا تھا۔

عیسائی بنانے کی جدوجہد اور اوس کے متعلق ہندوستانیوں کے خیالات کا اندازہ گذشتہ تحریر سے بھی ہو چکا۔ مزید براں خود مصنف بغاوت ہند لکھتا ہے۔

کہ کانپور وغیرہ میں پن چکیوں کا آٹا بازار میں فروخت ہوتا تھا۔ اُس میں ہڈیاں پیسکر ملا دی گئی تھیں جس سے عام برہمی پیدا ہوئی۔

مصنف کا بیان یہ ہے کہ یہ باغیوں کی سازش تھی۔ بہرحال جو کچھ ہو۔ ہندو مسلم عمومی اشتراک کے لئے کافی دلیل ہے۔ اور جسطرح ہڈیاں وغیرہ ملا کر دھرم بھشٹ کیا جا رہا تھا۔ کیا تعجب ہے کہ اس مصیبت سے نجات پانے کے لئے ہندو مسلمانوں نے چھوت چھات اٹھا دینے کا تہیہ کر لیا ہو۔ اور یہ بھی کیا معلوم کہ جس درجہ کی چھوت چھات آج موجود ہے۔ جب کہ تقریباً اسّی سال سے گورنمنٹ کی یہ پالیسی کام کر رہی ہے کہ "تفرقہ ڈالو حکومت کرو" اسی قسم کی چھوت چھات اور نفرت اوس زمانہ میں بھی تھی۔ ایک دوسرا واقعہ چھوت چھات کے اٹھا دینے پر دلالت کرتا ہے۔

ایک روز ایک خلاصی جو تیاری کارتوس کے خزانہ میں ملازم تھا۔ ایک سپاہی سے ملا۔ یہ سپاہی ذات کا برہمن تھا اور تعلیمگاہ

کارتوس میں رائفل چلانے کی مشق کیا کرتا تھا۔ سپاہی کے ہاتھ میں لوٹا تھا خلاصی نے اوس سے تھوڑا سا پانی پینے کے لئے مانگا۔ سپاہی نے انکار کر دیا۔ کیونکہ وہ خلاصی کی ذات سے واقف نہ تھا۔ خلاصی نے کہا کہ ذات کیا پوچھتے ہو۔ چند روز میں تمہاری ذات بھی باقی نہ رہے گی۔ کیونکہ جو کارتوس تم کو دئے جائینگے اون کو رائفل سر کرنے کے وقت دانت سے کاٹنا ہوگا۔ جسپر گائے اور سور کی چربی ملی ہوئی ہوا کرے گی [1]

کارتوس کا معاملہ | بذات خود بغاوت کے لئے محرک تھا۔

مقام دمدم میں ان کارتوسوں کا تیار ہونا مقرر ہوا۔ اور ایک تعلیم گاہ مقام مذکور میں واسطے تعلیم سپاہیوں کے نئے قواعد اس رائفل کے قرار دی گئی۔ صفحہ ۱ بغاوت ہند۔

* رانو رج نے ایک عرضی مسئلہ کارتوس کے اشتباہ کے متعلق میجر جرمن صاحب کمانیر کلکتہ ڈویژن کے پاس بھیجی۔ اُس میں یہ بھی ظاہر کیا تھا کہ اس مسئلہ کے متعلق ہمیں مذہبی تردداتت لاحق ہیں اور جو تسلی کرنیل صاحب بہادر نے دی ہے وہ اگرچہ بظاہر اطمینان بخش تھی اور ہم مطمئن بھی ہوگئے تھے۔ مگر تاریخ ۲۶ فروری ہم نے کارتوس دو قسم کے دیکھے۔ ایک قسم کے چکنے تھے۔ لیکن اوسپر بھی کارتوس واپس نہیں لئے گئے۔ بلکہ اون ہی کارتوسوں کے استعمال پر حکومت کی

---

[1] تاریخ بغاوت ہند صفحہ ۱۳۔

طرف سے اصرار ہوا ؎۱

بہرحال اس قسم کی چیزوں نے ہندوستانیوں کے دلوں میں یقین پیدا کر دیا تھا کہ گورنمنٹ یہ چاہتی ہے کہ سارے ہندوستانیوں کو عیسائی بنائے ورنہ اون کو اپنے مذہب سے بیزار کر کے اپنا غلام بنائے۔ جیسا کہ لارڈ میکالے نے ایک جلسہ کی رپورٹ میں اپنی رائے بیان کرتے ہوئے تحریر کیا تھا۔

ہمیں ایک ایسی جماعت بنانی چاہیئے جو ہم میں اور ہماری کروڑوں رعایا کے درمیان مترجم ہو۔ اور ایسی جماعت ہونی چاہیئے جو خون اور رنگ کے اعتبار سے تو ہندوستانی ہو۔ مگر مذاق اور رائے۔ الفاظ اور سمجھ کے اعتبار سے انگریز ہو۔ ؎۲

یہ جلسہ ۷ مارچ ۱۸۳۵ء کو یعنی جہاد حریت سے پورے ۲۲ سال ایک ماہ پیشتر ہوا تھا۔ اس جلسہ کا یہی مقصد تھا کہ ہندوستانیوں کی تعلیم کا انتظام گورنمنٹ کو کرنا چاہیئے یا نہیں۔ اور اگر کرے تو کیوں۔ اور۔ کونسی زبان میں۔

مصنف روشن مستقبل تحریر فرماتے ہیں۔

مگر لارڈ میکالے کی حقیقی رائے جو اون کے قلب کے اندرونی پردوں

؎۱ صفحہ ۱۶ تاریخ بغاوت ہند۔ ؎۲ تاریخ التعلیم از میجر باسو صفحہ ۸ بحوالہ روشن مستقبل صفحہ ۱۳۶۔

کے اندر چھپی ہوئی تھی۔ وہ وہ تھی جو انھوں نے اپنے والد ماجد کو ایک چٹھی میں لکھ کر بھیجی تھی۔

اس تعلیم کا اثر ہندوؤں پر بہت زیادہ ہے۔ کوئی ہندو جو انگریزی داں ہے کبھی اپنے مذہب پر صداقت کے ساتھ قائم نہیں رہتا۔ بعض لوگ مصلحت کے طور پر ہندو رہتے ہیں مگر بہت سے یا موحد ہو جاتے ہیں یا مذہب عیسوی اختیار کر لیتے ہیں۔ میرا پختہ عقیدہ ہے کہ اگر تعلیم کے متعلق ہماری تجویز پر عملدرآمد ہوا تو تیس سال بعد بنگال میں ایک بت پرست بھی باقی نہ رہے گا۔ [1]

تثلیث کے قائل اور خود اپنی پرستش کے خواہشمند کو توحید پرستی سے کیا واسطہ ہو سکتا تھا۔ بہر حال بوڑھے باپ کو بہلانے کے لئے الفاظ اچھے تھے۔ مگر آخر وہ وقت بھی آ گیا کہ کنایوں اور اشاروں کو چھوڑ کر مسٹر مینگلس نے ابتدا ۱۸۵۷ء میں پارلیمنٹ میں تقریر کرتے ہوئے صاف صاف کہا۔ خدا نے تعالیٰ نے ہمیں یہ دن دکھلایا ہے۔ کہ سلطنت ہندوستان انگلستان کے زیر نگیں ہے۔ تاکہ عیسیٰ مسیح کی فتح کا جھنڈا ہندوستان کے ایک سرے سے لیکر دوسرے سرے تک لہرائے۔ ہر شخص کو اپنی تمامتر قوت تمام ہندوستان کو عیسائی بنانے کے عظیم الشان کام کی تکمیل میں صرف کرنی چاہیئے۔ اور اس میں کسی طرح تساہل نہ کرنا چاہیئے۔ (حکومت خود اختیاری صفحہ ۹۲)

---

[1] تاریخ بغاوت ہند بحوالہ روشن مستقبل صفحہ ۱۳۸

مختصر یہ کہ اس قسم کے واقعات کی بنا پر یہ یقین کیا جا سکتا ہے کہ اسی جذبۂ تحفظ مذہب کے سبب سے ہندو مسلمانوں نے باہمی اشتراک بڑھایا۔ اور چھوت چھات کے اٹھانے کا فیصلہ کر لیا۔ روٹی اور کنول کے پھول وغیرہ کی تقسیم اسی بات کی علامت اور دلالت ہے۔

اعلان اور جہاد حریت یکم ماہ اپریل کو ایک اشتہار جامع مسجد دہلی میں چسپاں کیا گیا کہ ۱۱ مئی کو دہلی لوٹی جائیگی۔ اور بڑا کشت و خون ہوگا۔ مگر اس کو بے بنیاد سمجھا گیا۔ اور اس وقت تک یقین نہیں ہوا جب تک ۱۱ مئی کو یہ واقعہ پیش نہ آگیا۔ کہ مفسدین میرٹھ جس میں کچھ سوار اور پیادے تیسرے رسالے کے اور رجمنٹہائے نمبر ۱۱ و نمبر ۲۰ ہندوستانی شامل تھیں۔ دہلی کی جانب راہ گیر ہو کر بوقت صبح ، بجے کشتیوں کے پل سے دریائے جمنا کو عبور کر کے دہلی میں داخل ہوئے۔[1]

دہلی میں فوج انگریز (جسکی تعداد ہزاروں تھی) کے خورد و نوش کا قفل پچھمن چونہ سیاہ بن گیا تھا۔

لیکن ہندوستان میں فوجوں کی بغاوت اس سے پیشتر شروع ہو گئی تھی۔

چنانچہ سب سے پہلا شخص جس نے بغاوت کا آغاز کیا وہ منگل پانڈے تھا۔ جس کو بتاریخ ۸ر اپریل پھانسی کی سزا دی گئی۔[2]

---

[1] تاریخ بغاوت ہند صفحہ ۵۵۔ [2] تاریخ بغاوت ہند صفحہ ۱

۲۸ مئی کو کانپور میں دہلی اور میرٹھ کے فساد کی خبر پہونچی[1]۔ ۷ جون ۱۰ بجے صبح سے نانا صاحب نے گولہ باری شروع کی۔[2]

اس جہاد کا سلسلہ ابتداء اپریل سے اگست تک رہا۔ اس چار ماہ جہاد کی تاریخ تو بہت طویل ہے۔ ہمیں اس موقعہ پر چند باتیں عرض کرنی ہیں۔ جو ہمیں کبھی بھی فراموش نہ ہونی چاہئیں۔

(۱) بیشک کچھ عرصہ پہلے مرہٹوں کا مقابلہ شاہان دہلی کے ساتھ رہا اور اس میں بھی شک نہیں کہ مرہٹوں کی زندگی کا باعث جذبہ استقلال تھا اگرچہ اون کو خود مسلمان و زردار کی غداری اور اون کی خود غرضی نے آگے بڑھایا۔ ورنہ سلطان عالمگیرؒ ابتداء ہی میں اس فتنہ کو ختم کر چکے تھے۔ اور آخر میں احمد شاہ نے بڑی حد تک قلع قمع کر دیا تھا (تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو داستان بربادی۔)

تاہم اس موقعہ پر مرہٹوں نے شاہ دہلی کا پورا پورا ساتھ دیا۔ کانپور میں شری یت دھونا راپنت۔ نانا صاحب مرہٹوں کا سردار تھا۔ جسکا تعارف دوسرے الفاظ میں یوں کرایا جاتا ہے۔ کہ نانا موصوف کو باجی راؤ[3] پیشوا (معزول ریاست پونا) نے اپنا لڑکا بنا لیا تھا۔ جس کا انتقال

[1] تاریخ بغاوت ہند صفحہ ۱۱۸ [2] ایضاً صفحہ ۱۲۱ - [3] باجی راؤ - اور مرہٹوں کے تفصیلی حالات تو کتب تاریخ میں ملاحظہ کئے جائیں۔ کسیقدر تفصیل "داستان بربادی" میں بھی ذکر کی گئی ہے۔ اس وقت صرف نانا صاحب (بقیہ برصفحہ ۲۹ پر)

حاشیہ صفحہ ۲۸

سکے تعلق ہے۔ اسکے لئے اتنا بیان کافی ہے کہ سیواجی مشہور مرہٹہ اور مرہٹے کے پوتے نے ایک ہندو ریاست ستارہ (احاطہ بمبئی) میں قائم کی جس کے بڑے وزیر اور برہمن تھے بالاجی وشواناتھ۔ وزیراعظم تھا۔ جس نے اتنا اقتدار حاصل کر لیا کہ راجہ کی اوس کے سامنے کچھ حقیقت نہ رہی۔ اسکو پیشوا کے خطاب سے یاد کیا جاتا تھا رفتہ رفتہ حکومت کے مالک پیشوا ہی ہوگئے۔ انکا شجرہ خاندان حسب ذیل ہے۔

بالاجی وشواناتھ پیشوا اوّل

باجی راؤ (۲)

بالاجی باجی راؤ (۳) — رگوناتھ راؤ

بالاجی باجی راؤ (۳) کی اولاد: وشواس راؤ — مادھو راؤ (۴) — نرائن راؤ (۵)

رگوناتھ راؤ کی اولاد: باجی راؤ ثانی (۷)

نرائن راؤ کی اولاد: مادھو راؤ نرائن (۶)
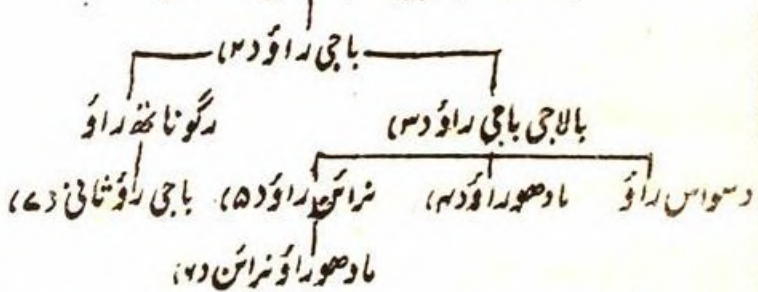
سب سے پہلا پیشوا بالاجی وشواناتھ تھا۔ پھر باجی راؤ اول پھر بالاجی باجی راؤ۔ پھر مادہو راؤ۔ اوسکے بعد نرائن راؤ۔ پھر مادھو راؤ نرائن۔ اور سب سے آخری پیشوا باجی راؤ جسکو معزول کیا گیا۔ اور نانا صاحب اسی کے متبنیٰ تھے۔

مسٹر بال گنگا دہر تلک جو لوکمان تلک کے نام سے مشہور ہیں اور تحریک انتہائیت کے بہت بڑے لیڈر مانے گئے مرہٹہ تھے گویا نانا صاحب کے اچھے جانشین تھے۔ انکا مشہور اخبار کیسری نکلتا تھا جسکے بعض مضامین کی بنا پر جون ۱۸۹۷ء میں گورنمنٹ نے اسپر مقدمہ چلایا۔ اور باغیانہ اشاعت کا مجرم قرار دیا گیا۔ ع ۵

ع ۵ رولٹ کمیٹی کی رپورٹ صفحہ ۱۶

سنہ ۱۸۵۱ء میں ہوا۔ اور اوس کے مرنے کے بعد اوسکی جگہ قائم ہوا تھا۔ مگر پنشن
باجی راؤ کی اوسکو نہ ملی۔ اگرچہ سب خزانہ وغیرہ اوسکے قبضہ میں تھا۔ بلکہ
گورنمنٹ کا یہ حکم بھی ہوا تھا کہ کچھ سپاہ اور کچھ توپیں اپنے قلعہ میں رکھا کرے
نانا موصوف "بیٹھور" میں جو کانپور سے دس میل بجانب غرب واقع ہے
بود و باش رکھتا تھا۔ اور اس ضلع میں۔ پیشوا مذکور کی جائیداد پر قابض
اور متصرف تھا [2]

اس موقعہ پر اپنی قوم کو لیکر مقابلہ کیا۔ اور نہایت پامردی سے جنگ
کرتا رہا۔ حتی کہ شکست کھا کر پہاڑی علاقہ میں جاکر روپوش ہو گیا۔ مگر یہ تمام
جار و جہد شاہ دہلی کے زیر کمان تھی۔ بقول پنڈت سندر لال مصنف "بھارت
میں انگریزی راج" تاج دہلی کی طرف سے ہرا جھنڈا لہرایا۔ اور شہنشاہ دہلی
کے نام پر ایک سو ایک توپوں کی سلامی لی۔ اور پھر اپنے لئے سلامی لی۔
فوجی انتظامات حتی کہ جزوی واقعات میں بھی دربار دہلی کے احکام
کی تعمیل کرتا تھا۔

کانپور کے کنویں کا جو واقعہ مشہور ہے۔ اُس کے متعلق۔ بغاوت ہند
کا مصنف لکھتا ہے۔

نانا صاحب نے انسکو یعنی ۲۰۰ زن و بچہ کو ایک مکان میں۔ جو
ایبسیلی روم مشہور تھا بھیجا۔ بعد ازیں نانا صاحب نے مفسدین دہلی کو

---

[1] تاریخ بغاوت ہند صفحہ ۱۳۱ ۔ [2] صفحہ ۔ بغاوت ہند ۔

لکھا کہ اسقدر عورتیں اور بچے گرفتار ہیں اون کے متعلق جو حکم ہو تعمیل کیجائے
دہلی سے جواب آیا کہ ان کو مار ڈالنا مناسب نہیں۔
اس جواب کی تعمیل کے لیئے نانا صاحب نے کچھ آدمی ان کی نگرانی
کے واسطے نوکر رکھے۔ فساد الہ آباد سے چند روز بعد ایک سوار نے آکر
نانا کو اطلاع دی کہ ان قیدیوں میں سے ایک میم نے ایک چٹھی الہ آباد
کو لکھی تھی۔ اوس کے بموجب بہت سے انگریز کانپور آرہے ہیں۔ یہ سنکر
نانا صاحب نے حکم دیا کہ سب مفسدین کو قتل کر ڈالو۔ چنانچہ ۱۵ر جولائی کو
سب کو قتل کردیا گیا۔ اور ان سب کی لاشوں کو ایک کنوییں میں ڈلوا دیا
مقتول کے نیچے سے ۵ بچے زندہ نکلے تھے۔ جنکو ۱۷ر جولائی کی صبح کو قتل
کردیا گیا۔ اور پھر نانا بھٹور کی طرف چلا گیا۔ [1]
قتل کا واقعہ صحیح ہے یا نہیں اس کی بحث آگے آتی ہے۔ اسوقت
یہ بتانا ہے کہ نانا صاحب اس قسم کے جزوی احکام میں بھی دربار دہلی کے احکام
کی تعمیل کر رہے ہیں۔
اسی طرح جھانسی میں مہارانی لکشمی جانی اور شاہ آباد میں کنور سنگھ
ساکن جگدیش پور۔ کی۔ پی وغیرہ میں دو مرہٹہ متنزل ہندو جو تحریک کے
السرغنہ تھے۔ اور ایک مرکز کے اشاروں پر چل رہے تھے۔ ہم قلت گنجائش
کے باعث تفصیل نہیں لکھ سکتے۔ مگر یہ ضروری ہے کہ ہم آخری وقت

---

[1] تاریخ بغاوت ہند صفحہ ۱۳۰ و صفحہ ۱۳۱

بس ہندوؤں نے ممنون احسان کر دیا۔
حکومت مسلمانوں کی تھی۔ آزادی وطن کا تحفظ مسلمانوں کا وطنی اور مذہبی فریضہ تھا۔ اگر ہندو کچھ بھی ساتھ نہ دیتے تب بھی شکایت کا حق نہ تھا۔ مگر واقعہ تو یہ ہے۔ کہ اودھ بندیلکھنڈ۔ سی۔ پی۔ بہار۔ جو ہندوؤں کے مرکز ہیں۔ اور جہاں ہندوؤں کی اکثریت ہے۔ انھوں نے مسلمانوں کا پورا پورا ساتھ دیا۔
دربار دہلی کا جھنڈا اسبز قرار دیا گیا تھا۔ ہندوستان کی تمام فوجیں اسی جھنڈے کے نیچے لڑتی تھیں۔ اودھ کے دیہات کو فوجیں تباہ کرتی تھیں۔ مگر جب واپس ہوتی تھیں تو دیہاتی اپنے گھروں پر ہرا جھنڈا ہرا دیتے تھے۔ فوجیں دوبارہ آتیں اور گاؤں کے گاؤں کو آگ لگا دیتی تھیں۔
واقعہ یہ ہے کہ ہندو قوم نے انگریزی جھنڈے سے زیادہ مغلیہ جھنڈے کی قدر کی۔ اور اوس کے احترام میں خونیں قربانیاں پیش کیں۔
ذیل واقعہ سے اس جہاد کے مختلف پہلو روشن ہو جاتے ہیں۔
پنڈت سندر لال مصنف (بھارت میں انگریزی راج) کا بیان ہے۔
اس جنگ آزادی کے اثنا رمیں ایک جعلی اشتہار شاہ ظفر شاہ

کے نام سے اس مضمون کا شائع کیا گیا۔

اگر جنگ میں کامیابی حاصل ہوئی تو مسلمانوں کو تمام جاگیریں دیدی جائینگی۔ ہندوؤں کو فنا کر دیا جائیگا وغیرہ وغیرہ۔

بادشاہ کو معلوم ہوا تو سر پکڑ کر بیٹھ گئے۔ رات کے بارہ بجے سے اٹھکر بارگاہ رب العزت میں گڑگڑاتے رہے۔ ایک پوتی بادشاہ کے پاس سویا کرتی تھی۔ بادشاہ اوس سے بہت محبت کرتے تھے۔ اوس نے دیکھا کہ بادشاہ چارپائی پر نہیں ہیں۔ مسجد میں پڑے ہوئے رو رہے ہیں وہ دادا کے پاس پہونچی اور اوس غیر معمولی گریہ کی وجہ دریافت کی۔ بادشاہ نے جواب دیا کہ فتح و شکست تو خدا کے اختیار میں ہے۔ مگر مجھے صدمہ اس الزام کا ہے جو لگایا گیا۔

میں نہیں سمجھتا تھا کہ میری زندگی میں مجھے اس طرح بدنام کیا جائیگا کہ میں ہندو اور مسلمانوں میں تفریق کرتا ہوں۔

صبح کو سلطان ہاتھی پر سوار ہو کر شہر میں گلی گلی گھومے اور با نقارہ چوٹ کر اوس اعلان کی تردید کی۔ اور شاہی فرمان راجاؤں اور افسران فوج کے پاس بھجوا دیا کہ یہ جنگ کسی خاص قوم کی نہیں۔ مشترکہ ملک کی آزادی کے لئے جنگ ہے۔ اگر کامیابی ہو گئی تو ایک مشترکہ کمیٹی بنائی جائے گی جو ملک کا انتظام کریگی۔ اور جسکو حق ہو گا کہ جس کو چاہے بادشاہ منتخب کرلے۔

(۳) اعتراض کیا گیا ہے گزشتہ مجاہدین نے غدر میں انگریزوں اور بچوں

کو بیدردی سے قتل کیا۔ اس سلسلہ میں دہلی اور کانپور کا خاص طور پر ذکر کیا جاتا ہے۔ مگر ہمارے خیال میں دونوں افترا اور بہتان ہیں۔ جسطرح سراج الدولہ کے زمانہ کا "بلیک ہال" صرف ایک افسانہ تھا جو اس لئے تراشا گیا تھا کہ گورنمنٹ برطانیہ ایسٹ انڈیا کمپنی کی امداد کی طرف متوجہ ہو۔ اسی طرح میموں اور بچوں کے قتل کے افسانے صرف اس لئے گھڑے گئے تاکہ انگریزی مظالم کی لوگ فریاد نہ کر سکیں۔

مصنف بغاوت ہند نے اپنی کتاب ایسے زمانہ میں لکھی تھی۔ جبکہ خوشامد و چاپلوسی کے سوا کسی ایک جملہ کی بھی اشاعت نہ ہو سکتی تھی وہ دہلی کے واقعات میں قتل و غارت کے واقعات کو لکھنے کے بعد لکھتا ہے۔ سب صاحبوں نے اپنے اپنے رومال باندھکر ہر ایک میم کو اون کے ذریعہ سے دیوار شہر پناہ پر چڑھا دیا۔ اور پھر خندق میں اُتار دیا۔ پھر دوبارہ ان ہی رومالوں کے ذریعہ سے خندق سے نکال لیا۔ وہاں سے وہ سب بجانب دریا روانہ ہوگئے۔ ہر قدم پر یہ خیال تھا کہ اب مفسد آئے اور اب ہمکو مار ڈالا۔ مگر نہایت تعجب ہے کہ مفسدین نے اونکا تعاقب قطعاً نہیں کیا۔ اور نہ اون کو اسوقت مارا جب کہ وہ خندق میں اتارے جا رہے تھے۔ صفحہ ۵

کانپور کے تمام افسانے کا ثبوت کچھ پرچے ہیں۔ جو مقتول میموں کے خون آلود بکس سے برآمد ہوئے تھے۔ ایک پرچہ میں تھا۔

۷ر جون - ماما بی بی والدہ مرگئی	یکم جون - چچا بیلی مرگیا -

۹ر جون - ایلیسی جان بحق ہوئی
۱۴ر ” جورج نے جان دیدی
۱۲ر ” بارگوں میں سے گئے۔
۱۵ر ” رسالہ بھاگ گیا

۱۷ر جون - بسنلی نے جان بحق تسلیم کی
۲۵ر ” بارگوں سے نکلے اور جب دریا پر پہنچے تو فوراً قید ہو گئے
صفحہ ۱۳۸ (بغاوت ہند)

دوسرا پرچہ

۱۲ر مئی بارگوں میں گئے - ۵ر جون ۲ بجے صبح - سواران رسالہ والے نے فساد شروع کیا - اور دن میں باقی رجمنٹہائے ہندوستانی بھی چلی گئیں - دوسرے دن صبح کے وقت ہم سب بارگوں کے سامنے بیٹھے تھے کہ ایک گولہ چوبیس پنی توپ کا آکر سرچوں میں لگا - پھر ۲۵ دن تک متواتر گولہ باری ہوتی رہی - اس تاریخ کو دشمن نے جنرل ویلر صاحب کے سامنے کچھ شرطیں پیش کیں - جنرل صاحب نے انکو منظور کیا ۲۷ر کو ہم سب نے بارگوں کو چھوڑا - اور الہ آباد براہ دریا جانے کے لئے لب دریا گئے - جب ہم دریا پر پہونچے تو دشمن نے گولہ باری شروع کر دی - اور تمام انگریزوں کو اور تھوڑی سی میم لوگوں کو مار ڈالا - اور کشتیوں کو جلا دیا - تھوڑے سے آدمی ڈوب گئے - اور ہم گرفتار ہو کر ایک مکان میں یکجا قید کئے گئے - صفحہ ۱۳۸ صفحہ ۱۳۹ -

پہلے پرچہ میں شرائط کا کوئی تذکرہ نہیں - دوسرے میں غدر اور دھوکہ کا کچھ ذکر نہیں - مگر اس واقعہ پر یہ حاشیہ چڑھایا گیا کہ -
کہ پنور میں انگریز مرد اور عورت بچے تخمیناً سات سو تھے - جنرل

"ڈیلر صاحب نے ان ساڑھے سات سو انگریز مردوں بچوں عورتوں کو مع دیگر ہمراہیان۔ ایک جگہ پر مورچہ قائم کرکے اوس کی حفاظت میں رکھا نوبت یہانتک پہونچی کہ رسد ختم ہوگئی۔ اور سخت پریشانی پڑی۔ اوس وقت نانا صاحب نے از خود پیغام صلح بھیجکر اون سے اس شرط پر صلح کی کہ کشتیوں میں بٹھا دیا جائیگا۔ کہ وہ لوگ الہ آباد پہونچ جائیں۔ چنانچہ تیس کشتیاں منگا کر دریا پر کھڑی کی گئیں۔ لیکن جب وہ سوار ہو رہے تھے اور تقریباً ۲۰۰ عورتیں اور بچے باقی رہ گئے تھے۔ اوسوقت غداری کی۔ عورتوں کو گرفتار کر لیا گیا۔ اور ملاحوں نے پھونس کی ٹٹیوں کو جو کشتیوں پر تھیں آگ لگا دی۔ گولہ باری اور فیر کنارے پر سے شروع ہوگیا۔ دو کشتیاں آگے نکل گئی تھیں جنمیں سے ایک بھنور میں تباہ ہوگئی۔ ایک باقی بچی جسکو آگے جاکر نانا صاحب کی فوج نے گھیر لیا۔ اور پھر اوس میں سے صرف چار آدمی بچکر الہ آباد پہونچے۔

اور پھر گرفتار شدگان کو بھی کچھ دنوں بعد قتل کر کے ایک کنوئیں میں ڈلوا دیا۔ لیکن صرف "بغاوت ہند" کے بیان کے بموجب ہی جب پورے واقعہ کا خیال کیا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ۔

(الف) جنرل ڈیلر نے جو جگہ مورچہ کی مقرر کی تھی وہ بالکل غیر محفوظ تھی۔ مورچہ بھی ٹھیک طرح قائم نہ ہو سکا۔ پانی لانا مشکل تھا۔ کنواں گولوں کے بالکل سامنے تھا۔ جب کوئی جاتا۔ اوسپر گولہ آکر لگتا۔ اور وہیں ختم ہو جاتا۔

(ب) رسد ختم ہو گئی تھی - ۲۶ جون تک سو نفر مر چکے تھے - بہت سی ہیمیں پاگل ہو گئی تھیں -

(ج) رسد اور پانی نہ ملنے کی وجہ سے بہت سے آدمی وہیں ختم ہو گئے تھے -

(د) خوراک ایک مقام سے دوسرے مقام تک دن کو نہیں پہونچ سکتی تھی -

اور رات کے وقت لاشیں اٹھا کر مسوم مدفین ادا کئے بغیر کنویں میں ڈالدی جاتی تھیں - ان تمام حالات کے ہوتے ہوئے قیاس میں نہیں آتا کہ نانا صاحب نے از خود صلح کا پیغام بھیجا ہو -

بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ انگریز اپنی شکست محسوس کر کے دریا کے راستہ سے الہ آباد کو بھاگے - جو راستہ میں ختم کر دیئے گئے -

مگر چونکہ جنرل "ڈیلر" کی غلطی کو چھپانا اور نانا صاحب کو بدنام کرنا مقصود تھا تاکہ بے پناہ انگریزی مظالم کے لئے وجہ نکل سکے اس لئے اس تمام افسانہ کو گھڑا گیا - اور اگر بالفرض یہ واقعہ ہوا بھی تو جواب کے لئے - آپ مسٹر ایڈورڈ ٹامسن کی مندرجہ ذیل عبارت کو ملاحظہ فرمایئے -

اگرچہ کانپور کے خونی واقعہ میں تاریخی سنگدلی کا خوفناک طریقہ سے مظاہرہ کیا گیا تھا - جو نرم سے نرم الفاظ میں بھی پیش نہیں کیا جاسکتا لیکن قتل وغارت کے اس ڈرامہ کو سمجھنے کے لئے ہمیں دو باتوں کا خیال

ضرور کرنا چاہیئے - اول یہ کہ جنرل ہیویلاک د ا نے باغیوں کو
نہایت بے دردی سے پیٹا تھا جس سے فارغ ہو کر وہ شہر میں داخل ہوا تھا - پھر
واقعہ کی خبر سے ایک عام غم و غصہ اور مایوسی کی حالت پیدا ہو گئی تھی - دوسرے
ی رسے آدمیوں نے کانپور پر حملہ کرتے وقت راستہ میں اسقدر مظالم کئے
تھے کہ جن سے باغیوں میں بے انتہا اشتعال پیدا ہوا - اور نتیجہ میں یہ خونی
واقعہ ظہور پذیر ہوا - چنانچہ اسوقت سے کچھ عرصہ بعد جب اس حادثہ
کی پوری تحقیقات کی گئی - تو کوئی بھی ایسا ثبوت نہیں پیش کیا گیا جس
سے یہ ثابت ہوتا کہ یہ خوفناک قتل پہلے سے کسی طے شدہ سازش کا نتیجہ تھا
دوسری طرف اگر ہم اپنے سپاہیوں کے بیشمار مظالم کو نظر انداز بھی کر دیں
تو پھر بھی ہر دو فریق کے حالات پر مکمل غور کرنے کے بعد ہم اس نتیجہ پر
پہنچ گئے - کہ اس معاملہ میں صرف ہندوستانی ہی قتل و خون ریزی کے
مجرم نہیں تھے - بنارس میں بالخصوص جنرل نیل کے حملے کے وقت جس بے
دردی سے قتل عام کیا گیا تھا - کیا اوسکو درست تسلیم کیا جا سکتا ہے -
خداوندا میں میں ذاتی طور پر جانتا ہوں کہ الہ آباد میں تو بے انتہا لوگوں کو
پھانسی کے تختہ پر لٹکایا گیا - چنانچہ جب جنرل نیل ان مظالم سے فارغ ہو
چکا تو اوس نے اپنے ایک میجر کو کانپور روانہ کیا تو اوس نے بھی راستہ میں
بیباکانہ طریق سے لوگوں . . . . . کو موت کے گھاٹ اوتارا - حالانکہ اونکا
بظاہر کوئی قصور بھی نہ تھا - قتل و غارت گری کی آخری کمی کو جنرل نیل خود
پوری کرتا ہے - جب اوس نے حکم سے بے گناہ انسانوں کو ایسی شدید

تکلیف دیکر جان سے ہلاک کیا گیا کہ اون کے مقابلہ میں ہندوستانی بربریت اور سنگدلی کا ایک بھی واقعہ پیش نہیں کر سکتے - سر جارج کیمبل نے اون افواہوں کی بھی تحقیقات کی جو غدر کے زمانہ میں نہایت کثرت سے پھیلی ہوئی تھیں کہ باغیوں نے انگریز عورتوں سے بدسلوکی کرکے اون کی عصمت دری کی - چنانچہ اس کی بنا پر یہ کہا جاتا ہے کہ انگریز افسران اور سپاہیوں نے اشتعال میں آکر ایسا دردناک انتقام لیا - سر جارج کیمبل ان تمام افواہوں اور کہانیوں کی صحت سے انکار کرتا ہے جسکی تصدیق تقریباً تمام مورخین نے کی ہے - [1]

(۴) خیال کیا جاتا ہے کہ یہ ہنگامہ ایک ہڑبونگ تھا جو بلا سوچے سمجھے وجود میں آیا - لیکن گذشتہ بیان سے اسکی تردید کافی ہوگئی - مزید براں پنڈت سندرلال صاحب مصنف "بھارت میں انگریزی راج" کا بیان ہے -

عظیم اللہ خاں کانپور چھاؤنی میں ایک انگریز کا بیرا تھا - اوس نے اپنی لیاقت سے انگریزی اور فرانسیسی زبان سیکھی - اب حسن لیاقت کے باعث انگریزوں کو اردو فارسی پڑھانے پر مقرر ہوگئے - نانا صاحب پر انگریزوں کو اتنا اعتماد تھا کہ نوبت خانہ اون کے سپرد کردیا گیا تھا - نانا صاحب کو انگریزی پڑھانے کے لئے انگریزوں کی طرف سے عظیم اللہ خاں کو مقرر کیا گیا -

اب ان دونوں نے جنگ کی اسکیم سوچنی شروع کردی - طے یہ کیا

[1] انقلاب ۱۸۵۷ء کی تصویر کا دوسرا رخ -

گیا کہ اس جنگ کو شروع کرنے سے پیشتر شاہان یورپ سے تعلقات قائم کرنے چاہئیں۔ چنانچہ بالا صاحب، گوکھلے۔ اور عظیم اللہ خاں اس غرض سے یورپ گئے۔

عظیم اللہ خاں روس ہوتا ہوا ہندوستان پہونچا۔ عظیم اللہ خاں اور بالا صاحب گوکھلے نے یورپ کے ہوٹلوں میں بیٹھکر تاریخ اور نقشہ جنگ تحریر کر لیا تھا

خاندان ولی اللہی اور اکابر دیوبند کی خدمات

۱۸۵۷ء کے بعد انگریز نے جذبۂ انتقام میں جس بے پناہ درندگی کا اظہار کیا اوس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانان ہندوستان انگریز کی حلقہ بگوشی ہی میں عافیت سمجھنے لگے۔ اور جہاد حریت کو بغاوت سے تعبیر کیا جانے لگا پھر تاریخ ہندوستان کو کچھ اس طرح مسخ کر کے پیش کیا گیا کہ انگریز کے وجود کو رحمت عظمیٰ تصور کیا جانے لگا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ علماء ملت پر تقشف اور رہبانیت کا بڑی جانکا غلبہ ہوگیا۔ اور اوس کا ناگوار اثر یہ ہے کہ اکابر دیوبند کی سوانح لکھتے وقت آج ہمارے سامنے کوئی تحریری مادہ موجود نہیں۔

اس عرصہ میں حالات کے قلمبند کرنے والے وہی حضرات رہے ہیں جو سیاسیات سے اس درجہ غیر متعلق ہو گئے تھے۔ کہ جہاد ۱۸۵۷ء کو نہایت ہی اجنبی اور بھیانک۔ بلکہ دنیا طلبی کی غلط ہڑبونگ تصور کرتے تھے

چنانچہ ان حضرات نے اکابر دیوبند کی مجاہدانہ خدمات کو نہ صرف چھپانے کی کوشش کی بلکہ یہ ضروری تصور کیا کہ اپنے اکابر کو اوس سے بری قرار دیں۔

بلاشبہ اکابر دیوبند۔ فتنہ فساد۔ بغاوت اور سرکشی سے بیزار اور بری تھے۔ لیکن جہاد حریت ۱۸۵۷ء کو مذہبی فرض تصور کرتے تھے۔

سیدنا شاہ ولی اللہ صاحب کا خاندان تو پہلے ہی ہجرت کر چکا تھا صرف سیدنا شاہ عبدالغنی صاحب قدس اللہ سرہ العزیز ہندوستان میں قیام فرماتھے۔ اور بظاہر کسی بہتر جانشین کی تلاش میں تھے۔

اسی اثنار میں ۱۸۵۷ء کا ہنگامہ پیش آیا۔

یہ معلوم نہیں کہ کونسی کونسی خدمت کس کس نہج سے ادا کی۔ مگر ہاں یہ معلوم ہے کہ آپ نے اس جہاد حریت کے سلسلہ میں ہندوستان سے ہجرت فرمائی۔

چنانچہ مصنف تذکرۃ الرشید حصہ اوّل درج فرماتے ہیں۔

”غدر کے قصہ میں ہندوستان سے ہجرت فرمائی“ - ۱۲ محرم ۱۲۹۵ھ بعمر ساٹھ سال حرم مدینہ طیبہ میں وفات پائی۔

شیخ العرب والعجم سیدنا حضرت حافظ حاجی امداد اللہ صاحب نے قدس اللہ سرہ العزیز۔ تھانہ بھون ضلع مظفرنگر میں قیام فرمایا۔ چونکہ آپ نے بذات خود عربی کی کتابیں نہیں پڑھی تھیں تو آپ نے حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی اور حضرت مولانا محمد قاسم صاحب قدس اللہ سرہما العزیز

سے استصواب فرمایا۔ یہ حضرات پہلے ہی سے آمادہ اور مطمئن تھے۔
تھانہ بھون ہی میں ایک دوسرے بزرگ مولانا شیخ محمد صاحب تھانوی "محدث" تھے آپ کی رائے اس تحریک حریت کے خلاف تھی
ہمارے حضرت مولانا حسین احمد صاحب شیخ الہند۔ مدظلہ العالی نے ایک مرتبہ سہارنپور میں تقریر فرماتے ہوئے فرمایا تھا۔ کہ حضرت حاجی صاحب اور مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی اور حضرت مولانا رشید احمد صاحب وغیرہ حضرات نے ایک مرتبہ مولانا شیخ محمد صاحب کی مسجد میں جاکر جہاد حریت کے متعلق تبادلۂ خیالات کیا۔
مولانا شیخ محمد صاحب نے اہل ہند کی بے سامانی کا ذکر فرماکر جہاد کی مخالفت کی۔
حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نے فرمایا۔ "کیا ہم حضرات اصحاب بدر سے بھی زیادہ بے سامان اور مفلس ہیں"۔
حضرت حاجی صاحب نے طرفین کی گفتگو سننے کے بعد فرمایا۔ کہ الحمد للہ انشراح ہوگیا۔ اور پھر واپس تشریف لاکر جہاد کی تیاری شروع کردی۔
چنانچہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ نے مقامی حالات کے پیش نظر مقامی مجاہدین کی امامت منظور فرمائی۔ اور مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ سپہ سالار قرار دئے گئے۔ اور حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس اللہ سرہ العزیز قاضی مقرر ہوئے۔ اور اسطرح قصبہ تھانہ بھون اس دور فتنہ میں

ایک دارالاسلام بنا لیا گیا اور پھر پیشقدمی کر کے قصبہ شاملی ضلع مظفر نگر بھی فتح کر لیا گیا۔ اس جماعت میں ایک بزرگ اور بھی تھے۔ آپ کا اسم گرامی تھا۔ حافظ ضامن صاحب رح آپ کو اب حافظ ضامن صاحب شہید کہتے ہیں۔

آپ طبیعت کے نہایت سادہ تھے انکسار اور تواضع بے انتہا تھی۔ آپ کو حقہ کا شوق تھا۔ آپ کی یہ حکایت اس خشک مضمون میں ضرور رنگت پیدا کر دے گی۔

جب کوئی شخص آپ کے پاس آتا تو آپ فرمایا کرتے کہ دیکھو میاں کوئی مسئلہ پوچھنا ہو تو شیخ محمد صاحب کے پاس جاؤ۔ اور اگر مرید ہونا ہو تو حاجی صاحب کی خدمت میں حاضر ہو۔ اور اگر حقہ پینا ہو۔ تو یاروں کے پاس بیٹھ جاؤ۔

آپ حضرت حاجی صاحب رح کے پیر بھائی تھے۔ یعنی جناب مخدوم میاں جی نور محمد صاحب قدس اللہ سرہ العزیز سے بیعت تھے۔

بہرحال آپ اسی جہاد حریت کے سلسلہ میں شہید ہوئے۔

سنا گیا ہے کہ اس موقعہ پر ایک گولی حضرت مولانا قاسم صاحب رح کے سر کو پار کر گئی۔ جس کے صدمہ سے حضرت موصوف بیٹھ گئے۔ مگر حضرت حاجی صاحب قدس اللہ سرہ العزیز کے دست مبارک سے اعجاز مسیح کا کام کیا۔ گولی کا زخم فی الفور اچھا ہو گیا۔ [1]

---

[1] تذکرۃ الرشید صفحہ ۷۵ جلد ۱

جو کرامات اولیار کو حق مانتے ہیں۔ اون کو اس کی تصدیق میں تردد نہ ہوگا۔

یہ سب کچھ ہوا۔ مگر افسوس تقدیر تدبیر پر غالب آئی۔ ہندوستانیوں کو اپنے سابق اعمال کی پاداش ملنی تھی۔ مکافات عمل کے فطری قانون نے برٹش امپیریلزم کیلئے تسلط اور غلبہ مقدر کر رکھا تھا۔ ہندوستانیوں کو اوس کے سامنے ذلت اور خواری کے ساتھ سرنگوں ہونا تھا۔ چنانچہ ہوا اور ایسا ہی ہوا۔ تحریک جہاد ناکام رہی۔ گرفتاریاں شروع ہوئیں سارا تھانہ بھون برباد کر دیا گیا۔ پرانے اور متمول خاندان تباہ کر دئے گئے۔ شرفا کی انتہائی ذلت کی گئی۔ قید و بند۔ قتل و دار سے اون کی مدارات کی گئی۔ مگر یہ بھی کارپردازان قضا و قدر کا فیصلہ تھا کہ ان تینوں حضرات کو محفوظ رکھا جائے۔ تاکہ دنیائے اسلام ان کے فیوض سے بہرہ اندوز ہو سکے۔ جن کے لئے یہ حضرات پیدا کئے گئے تھے۔

چنانچہ حضرت حاجی صاحب قدس سرہ العزیز نے ہندوستان سے ہجرت فرمائی۔ انگریزوں نے بہت کچھ تعاقب کیا۔ مگر خدائے بالا و برتر کو اون سے کام لینا تھا۔ عجیب و غریب کرامتوں کے ساتھ جنکا ذکر تذکرۃ الرشید حصہ اول میں کیا گیا ہے، حضرت موصوف مکہ معظمہ پہونچے۔ عرب و عجم نے آپ سے تعلقات ارادت قائم کئے۔ آپ کی حلقہ بگوشی کو دو جہانی سعادت یقین کیا۔ چنانچہ آپ شیخ العرب والعجم ہوئے۔ اور آج ہندوستان کا کوئی سلسلہ طریقت ایسا نہیں۔ جسکو حضرت حاجی صاحب رحمۃ

شرف عقیدت حاصل نہ ہو۔ بلکہ جسطرح حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رح
سلسلۂ حدیث کے اوستاذ ہیں اسی طرح حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ
تصوف کے تمام سلسلوں کے شیخ ہیں۔ اور انتہا درجہ ستم ظریفی ہے اون
حضرات کی جو حضرت حاجی صاحب رح کو شیخ تسلیم کرتے ہیں اور اون
کے پیر کے پیر۔ یعنی حضرت سید صاحب رح کی شان میں گستاخیاں کرتے
ہیں۔

سیدنا حضرت مولانا رشید احمد صاحب قدس سرہ العزیز گرفتار
کئے گئے۔ آپ چھ ماہ تک محبوس رہے۔ لیکن اوس کے بعد عام معافی
کا اعلان ہوگیا۔ اور حضرت گنگوہی رح کو اشاعت فیوض کے لئے آزاد
کر دیا گیا۔

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب قدس اللہ سرہ العزیز
کا بھی وارنٹ تھا۔ آپ کو خیر اندیش احباب نے سمجھا کر روپوش کردیا
تین روز تک آپ مخفی رہے چوتھے روز آپ باہر تشریف لے آئے
احباب نے سرپیٹ لیا کہ ابھی آپ کی تلاش ہو رہی ہے۔ حضرت حجۃ
الاسلام نے فرمایا کہ حضرت رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم بھی صرف
تین روز ہی غار ثور میں قیام فرما رہے تھے۔ اس سے زیادہ مخفی رہنا
خلاف سنت ہے۔

مگر سچ ہے۔ من کان للہ کان اللہ لہ۔ "جو اللہ کا ہو جاتا ہے
اللہ اوس کا ہو جاتا ہے" اس اتباع سنت کا یہ اثر ہوا کہ پولیس۔

انپکٹر وارنٹ لیکر آیا تو باوجودیکہ آپ موجود تھے اور وہ پہلے سے آپ سے واقف تھا۔ مگر آپ کو اسوقت نہ پہچان سکا۔ حضرت موصوف مسجد چھتہ میں ٹہل رہے تھے۔ آپ ہی سے اوس نے دریافت کیا۔ "محمد قاسم کہاں ہیں"۔ آپ نے دو قدم آگے رکھکر فرمایا "ابھی تو یہاں تھے"۔ انسپکٹر نے مسجد دیکھی اسطرف اوس طرف دیکھا اور چلا گیا۔

ابھی آپ کی تفتیش ہی ہو رہی تھی۔ کہ معافی کا اعلان ہو گیا۔ کسقدر عجیب کرشمہ ہے کہ جب معمولی سے شبہ پر سولی۔ پھانسی اور جلاوطنی کی سزا مقرر تھی۔ یہ دونوں بزرگ بری کردئے گئے۔ لیکن واقفین تاریخ کو تعجب نہ ہونا چاہیئے۔

قدرت کو جب کسی سے کام لینا ہوتا ہے تو اسی طرح محفوظ رکھا کرتی ہے۔ جلال الدین پسر ہمایوں کو "شاہ اکبر اور مغل اعظم بنانا تھا۔ مگر معلوم ہے کہ کسطرح محفوظ رکھا گیا۔ گولوں کے نشانہ پر بٹھا دیا جاتا تھا۔ مگر اوسکا بال بیکا نہ ہوتا تھا اور فوج فتح پاتی تھی۔

"نورجہاں" کو ملکہ بنانا منظور تھا مگر تم نے دیکھا پیدائش کے بعد ننھی سی جان کو جھاڑیوں میں ڈالکر مصیبت زدہ ماں باپ روانہ ہو جاتے ہیں۔ لیکن قدرت ایک کالے ناگ کو بھیجتی ہے۔ جو نورجہاں کی حفاظت کرتا ہے۔

تم کہوگے یہ اتفاقات ہیں مگر اس ضد کا کیا علاج۔ ہم کہتے ہیں اسی قادر مطلق کی قدرت کے کرشمے ہیں جس کی بے انتہا قدرت روزانہ صبح

مشرق سے آفتاب کو طلوع کرتی ہے۔ اور شام کو مغرب میں غروب کرتی ہے۔ ہزارہا سال گذر رے مگر کائنات عالم کا یہ سب سے بڑا۔ نورانی کرہ اس طرح مسخر ہے۔ کہ نہ ایک لمحہ تاخیر کر سکتا ہے۔ نہ تقدیم
سُبحانہٗ مَا اَعظَمَ شَانہٗ

وجوہاتِ ناکامی

(۱) سب سے پہلی وجہ فراوانی اضطراب تھی۔ طے یہ تھا کہ ۱۱ رمئی کو ایکدم تمام ہندوستان میں علم جہاد بلند کیا جائے گا۔ مگر دمدم صوبہ بنگال میں منگل پانڈے کے ہاتھوں ۲۲ مارچ کو یہ آتشیں مادہ بھڑک اٹھا۔ ابھی دوسری جگہ تیاریاں نہیں ہوئی تھیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دہلی میں باقاعدہ جہاد کے شروع ہونے تک بنگال کی تحریک تقریباً ختم ہو چکی تھی۔

اور پھر پنجاب میں تحریک اوسوقت شروع ہوئی کہ جب دہلی اور کانپور کے حالات پر انگریز قابو پا چکے تھے۔

مدراس، بمبئی اور حیدرآباد یعنی جنوبی ہند میں اوسوقت تک کچھ کام نہ ہو سکا تھا۔ ان صوبوں میں نہایت خفیف سا اثر ہوا۔ جسپر آسانی قابو پاکر شمالی ہند کی اصلاح کے لئے فوجیں روانہ کی گئیں۔

بہرحال وقت مقررہ پر شروع نہ ہونا۔ ناکامی کا سب سے بڑا۔ سبب تھا۔

(۲) دوسری وجہ سکھوں کی وطن دشمنی تھی۔

سکھ قوم نے انگریز کا ساتھ دیا۔ اس قوم کی غداری اور بےحسی پر۔ تعجب ہوتا ہے ابھی دس سال بھی نہ ہوئے تھے کہ اسکی حکومت کو انگریز نے برباد کرکے اوسکی آزادی کو سلب کیا تھا لامحالہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ تمام ہندوستان سے زیادہ اس قوم کو مشتعل ہونا چاہیئے تھا۔

مگر معلوم ایسا ہوتا تھا کہ بےغیرت قوم کو احساس ہی نہیں۔ وہ نہایت خوشی سے انگریز کی کاسہ لیسی میں مشغول تھی اور انتہائی دیدہ دلیری کے ساتھ۔ اپنے ملک کو برباد کررہی تھی۔ غالبًا اس کا باعث یہ تھا کہ سکھوں کو اپنی تاریخ یاد تھی کہ انھوں نے ہندو اور مسلمان دونوں قوموں پر کسقدر مظالم کئے ہیں اور اون کو خطرہ تھا کہ اگر ہندوستانیوں کی فتح ہوگئی تو ہندو اور مسلمان دونوں ہم سے ہماری پیدا کی ہوئی ہوتوں کا انتقام لیں گے۔

غالبًا سکھوں کی اسی غداری اور وطن دشمنی کا اثر تھا کہ پنجاب میں تحریک نے قوت نہیں حاصل کی۔ صوبہ سرحد نے نہایت پامردی اور مستعدی کے ساتھ حق وفاداکیا اور وطن دوستی کا کامل ثبوت دیا۔

(۳) نظام حیدرآباد۔ مرہٹوں اور دوسری حریف قوموں سے مقابلہ کے لئے ابتداہی سے انگریزوں کا حامی تھا۔ اسی سلسلہ میں وہ سلطان ٹیپو کے برخلاف انگریزوں کا مددگار رہا تھا۔ اوسوقت مرہٹے اور دربار دہلی اور اودھ یعنی نظام حیدرآباد کی حریف طاقتیں انگریزوں کے مخالف تھیں۔ اور اس بنا پر لازم تھا کہ نظام حیدرآباد انگریزوں کی مخالفت میں کوئی دلچسپی نہ لے۔ لیکن اس کا برا نتیجہ یہ تھا کہ پورا جنوبی ہند انگریز کے لئے

پناہ گاہ بن گیا۔

(۴) کابل پر کچھ فوجیں انگریزوں کی پہونچی ہوئی تھیں۔ اسی طرح چین پر حملہ کے لئے دیگر ممالک سے برطانوی فوجیں آرہی تھیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ فرانس۔ روس اور دیگر ایشیائی حکومتوں کا راستہ بھی بند ہوگیا۔ اور تازہ دم فوجیں انگریزوں کو فوراً دستیاب ہوگئیں۔ جسکا نتیجہ ہندوستان کی غلامی اور شکست تھی۔ اگرچہ خوشگوار نتیجہ یہ رہا کہ چین اور افغانستان وایران کو برطانوی اقدام سے نجات مل گئی۔

خیر یہ بھی اچھا ہوا ہم تباہ ہوئے مگر ہمارے پڑوسی تو نجات پا گئے ایک دوسرا خوشگوار نتیجہ اور بھی ہے۔ وہ یہ کہ اسوقت جس شد و مد سے عیسائی بنانے کی تحریک جاری تھی وہ بند کردی گئی۔ اگر اس کے بعد عیسائی بنانے کی پالیسی پہ قوت سے عمل ہوتا رہا۔ اور ہو رہا ہے۔ مگر پادریوں کا زور یقیناً کم ہوگیا۔

۶۶۶

تصویر کا دوسرا رُخ

انتقامی جذبات کی دردانگیز داستان

انگریزی درندگی کے خونیں نظارے

مذہبی، سیاسی، اقتصادی۔ تباہی کا ایک سچا تقاضہ تھا جو ۱۸۵۷ء کے انقلاب انگیز ہنگامے کی شکل میں رونما ہوئے جسکے متعلق "مسٹر لیکی کا یہ قول ہی

"اگر دنیا میں کوئی بغاوت حق بجانب کہی جا سکتی ہے تو وہ ہندوستان کے ہندو مسلمانوں کی بغاوت ہے"

نارڈ رابرٹس نے (مسٹر انیس کے ایک خط بنام لارڈ ڈینگ وائسرا)

کا ایک آخری جملہ نقل کیا ہے۔ "میرے نزدیک ان کارتوسوں کے استعمال سے سپاہیوں کے مذہبی جذبات کو ناقابلِ برداشت طریقہ سے ٹھکرا دیا گیا تھا

مگر اب یہ بھی دیکھنا ہے کہ تہذیب و اخلاق کے دعوے داروں نے اس حق بجانب بغاوت کا کیا علاج کیا۔ اور مذہبی مجنونوں کی اصلاح کے لئے اُن ہوشیار دانشمندوں کا طرزِ عمل کیا تھا۔ جو یورپ سے خدمت خلق کے لئے سات سمندر پار کر کے ہندوستان آئے تھے۔

کلیجہ تھام لو گے جب سنو گے
نہ سنوائے خدا شیون کسی کا

انقلاب ۱۸۵۷ء کی تصویر کا دوسرا رخ۔ صفحہ ۲۸۔

ابتدائے انتقام

کارتوسوں کے انکار پر جو انسانیت سوز سزا دی گئی تھی ایک انگریز مورخ نے اوس کا فوٹو مندرجہ ذیل الفاظ میں کھینچا ہے۔

بندوقوں اور سنگینوں کے پہرہ میں پچاسی جوانوں کو اون کے اپنے فوجی لباس میں سپاہیوں کی حیثیت میں فوجی عدالت کے سامنے پیش کیا گیا اور سزا کو بلند آواز سے سنایا گیا۔ جس کا مقصد سپاہیوں کو بار بار مجرموں کی فہرست میں داخل کرنا تھا۔ فوجی نشانات اون سے چھین لئے گئے۔ وردیاں اون کی پشت کی طرف سے پھاڑ دی گئیں۔ پھر لوہار زنجیریں اور اوزار لیکر آگے بڑھے۔ اور آناً فاناً میں وہ پچاسی جوان اپنے ساتھیوں کے اس عظیم الشان مجمع کے سامنے انتہائی بے عزتی کی تمام روشن اور ظاہر علامات کے ساتھ۔ یعنی ہتھکڑیاں اور بیڑیاں پہنے ہوئے نظر آئے

یہ نہایت ہی دردناک اور ذلت آفریں نظارہ تھا۔ جس سے سپاہی بیحد متاثر ہوئے

بالخصوص جب انھوں نے اپنے بدقسمت ساتھیوں کی اس ناگفتہ بہ حالت اور مایوسانہ انداز کو دیکھا۔ حالانکہ بعض اون میں سے اپنی پلٹن میں نہایت ہر دلعزیز تھے۔ اور متعدد دفعہ انھوں نے اپنے آپ کو خطرہ میں ڈالکر برٹش حکومت کی ترقی اور وفاداری کا ثبوت بھی دیا تھا قیدیوں نے ہاتھ اوٹھاکر بآواز بلند جرنیل سے گڑگڑاکر رحم کی التجا کی۔ کہ اون کو اس شدید مصیبت اور ہلاکت سے بچا لیا جائے۔ پھر یہ دیکھکر

کہ اس طریقہ سے کوئی فائدہ مرتب نہیں ہو سکتا ۔ وہ اپنے ساتھیوں کی طرف متوجہ ہوئے اور اس بے عزتی کو خاموشی سے برداشت کرنے پر انھیں شرمندہ کیا ۔ اور غیرت دلائی ۔ اوس وقت ایک بھی سپاہی اوس میدان میں ایسا موجود نہ تھا ۔ جس نے اپنے سینہ میں اس واقعہ سے رنج اور نفرت کے جذبات اٹھتے ہوئے محسوس نہ کئے ہوں ۔ لیکن بھری ہوئی میدانی توپوں اور بندوقوں اور سواروں کے چمکتے ہوئے خنجروں کی موجودگی میں حملہ کرنے کا خیال بھی پیدا نہیں ہو سکتا تھا ۔ چنانچہ قیدیوں کو اون کی کوٹھریوں میں لے گئے ۔ جن پر پہرہ دینے کے لئے اونھیں کے ساتھیوں کو متعین کیا گیا ۔ لے

۱۸۵۷ء کے ہنگامے کے بعد ایک عرصہ تک تو ظالم نے اپنے ظلم کا اعتراف ہی نہ کیا اور مظلوم اتنا تباہ ہو چکا تھا کہ اوسکو بھی چار ناچار سکوت اور خاموشی کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا ۔ مگر دلوں کی دبی ہوئی چنگاریاں جنکو وقتاً فوقتاً آئے دن کے نئے نئے ظلم ہوا دیتے رہے ۔ آخر کب تک چھپی اور دبی ہوئی رہ سکتی تھیں ۔ انھوں نے اہل ہند کے جگر اور دل کو اندر ہی اندر جلانا اور پگھلانا شروع کیا ۔ تب کچھ انگریزوں نے محسوس کیا کہ اون کو بھی ہندوستانیوں ہمنوا ہو کر ان چنگاریوں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ کو بجھانے کی کوشش کرنی چاہیئے ۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ دبی ہوئی چنگاریاں برطانیہ کے خرمن شہنشاہیت کے لئے برق سوزاں بن جائیں ۔ اس نظریہ کے بموجب مسٹر ایڈورڈ ٹامسن نے ساٹھ سال گذرنے کے بعد اعتراف ظلم کرتے ہوئے جدید دلچسپی سے ان چنگاریوں کو بجھانا چاہا ۔ چنانچہ ۔ ایک کتاب لکھی اور سانڈادن دی

پھانسی

یہ سزا انگریز کی نظر میں کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتی تھی۔ اس کیلئے یہ بھی ضروری نہیں تھا کہ اس سے بغاوت کی ہو۔ چنانچہ کو پر ڈپٹی کمشنر امرتسر لکھتا ہے:

"مسٹر مونٹ گمری۔ کے حکم سے پنجاب میں بھی جہاں عام طور پر لوگ ابھی تک وفادار ہیں ایک سکھ پلٹن کے جمعدار سوار پولیس کے رسالدار اور ایک داروغہ جیل کو فرض کی کوتاہی کے الزام میں پھانسی پر لٹکانا ضروری سمجھا گیا۔ اس سے مقصد یہ تھا کہ لوگوں کو بخوبی ذہن نشین ہو جائے کہ پنجاب کے حکام ابتدا ہی میں بلا توقف متشددانہ کارروائی کرنے کی پالیسی سے لوگوں کے دلوں میں اپنا رعب قائم کرنا چاہتے ہیں۔ صرف یہی ایک طریقہ ہے جس سے اس نیم وحشی ملک میں وفادار قائم رکھا جاسکتا ہے۔ دوسری طرف ایک سخت پالیسی کا مقصد یہ بھی ظاہر کرنا تھا کہ حکومت رعایا سے غیر مشروط اور غیر مبہم وفاداری چاہتی ہے۔ نہ کہ رعایا کی ہمدردی کے بھروسہ پر جو ایک حاذق گورنمنٹ کے استقلال کی شکست کے مرادف ہے [1]

کہ پھر ہلیں بناتا ہے۔

قیدیوں کی دائمی نجات کا راستہ نہایت آسان تھا۔ یعنی باغیوں کو دیکھکر فی الفور نکلس کا نعرہ بلند کیا جاتا تھا۔ "پھانسی پر لے چلو"۔ [2]

ایک پادری کی بیوہ نہایت فاتحانہ انداز میں لکھتی ہے۔

---

[1] تصویر کا دوسرا رخ صفحہ ۴۴ [2] ایضاً صفحہ ۴۵۔

جب بہت سے باغی گرفتار کر کے لائے گئے تو انھیں حکم دیا گیا کہ وہ گرجے کے فرش کو صاف کریں مگر باوجودیکہ یہ لوگ اپنے مذہبی معتقدات کی بنا پر اس قسم کا کام خلاف سمجھتے تھے پھر بھی سنگین کی نوک سے انھیں اس حقیر کام کے کرنے پر مجبور کیا گیا اون میں سے بعض نے نہایت پھرتی کے ساتھ اس کام کو سرانجام دیا۔ محض اس خیال سے کہ شاید پھانسی کی سزا سے بچ جائیں گے۔ لیکن بے سود کیونکہ وہ سب کے سب پھانسی پر لٹکا دیے گئے۔ ؎

"بجینڈی لکھتا ہے"

وہ رات ہم نے جامع مسجد پر پہرہ دیتے ہوئے بسر کی۔ اور ہمارا زیادہ تر وقت ان قیدیوں کو گولی سے اڑا دینے یا پھانسی پر لٹکانے میں گذر رہا تھا۔ جن کو ہم نے صبح کے وقت گرفتار کیا تھا۔ اون میں سے بہت سے بیچارے تو اوسی جگہ ختم ہو گئے۔ لیکن آخر وقت تک اون کے چہروں سے شجاعت اور ضبط کے آثار ہویدا تھے۔ جو اس سے کسی بڑے مقصد کے شایان شان علامات تھیں۔ ؎

پلٹن نمبر ۲۶ کا قصور اور اوس کی سزا پر تبصرہ کرتے ہوئے اخبار ٹائمز نے لکھا تھا۔

بغاوت کے اعلان سے ۴۸ گھنٹے کے اندر پانچسو آدمیوں کو پھانسی

ؔ تصویر کا دوسرا رخ صفحہ ۲۵۔ ؔ ایضاً صفحہ ۲۶۔

دی گئی۔ سوال ہوتا ہے کہ جرم کیا تھا۔ درانحالیکہ خود ذمہ دار حکام کی رپورٹ سے تصدیق ہو چکی ہے کہ باغی بالکل نہتے تھے۔ اور طوفان سے ڈر کر بھاگ نکلے تھے۔ نیز محاصرے کے وقت بھوک اور مسافت کی تکلیف اور صدمے سے اون کی حالت نیم مردہ انسانوں کی تھی [۱]

بہرحال ہندوستانیوں کو اس کثرت سے پھانسیاں دی گئیں جو بیان سے باہر ہے (الہ آباد سے کانپور آتے ہوئے) دو دن کے اندر بیالیس آدمیوں کو سڑک کے کنارے پر پھانسی دی گئی۔ اور بارہ آدمیوں کو تو صرف اس جرم میں پھانسی دی گئی کہ جب فوج مارچ کرتی ہوئی ان کے سامنے سے گذری تو ان کے چہرے دوسری طرف کیوں تھے۔

جہاں جہاں فوج نے پڑاؤ کئے وہاں پر قرب و جوار کے تمام دیہات جلے ہوئے تھے۔ یہ کہنا کہ یہ سب کانپور کے مظالم کے حادثہ کا جواب تھے صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ کانپور کا شیطانی واقعہ ان خوفناک حوادث کے بہت بعد پیش آیا۔ [۲]

آج بھی پارلیمنٹ کے محفوظ ریکارڈ میں گورنمنٹ ہند کی وہ تمام یادداشتیں محفوظ ہیں۔ جن سے یہ پتہ چلتا ہے کہ باغیوں کے علاوہ عام آبادی میں سے عورتوں، مردوں، بچوں، بوڑھوں تک کو بھی پھانسی کے تختوں پر لٹکایا گیا [۳]

---

[۱] تصویر کا دوسرا رخ صفحہ ۵۹ [۲] ایضاً صفحہ ۶۰۔ [۳] ایضاً صفحہ ۶۳

جس نے ایک گواہ سے کہا میں تمہاری جاں بخشی کر دیتا ہوں۔ بشرطیکہ تم اس کے عوض میں کوئی تین ایسے نام بتاؤ جن کو تمہارے عوض میں پھانسی دی جائے۔ [1]

دہلی میں، خونریزی کے عادی سپاہیوں نے جوش انتقام کو فرو کرنے کے لئے پھانسی دینے والے جلادوں کو رشوت دیکر آمادہ کیا تھا کہ وہ پھانسی کے تختہ پر زیادہ دیر تک لٹکتے رہنے دیں تاکہ لاش کے تڑپنے کی دردناک کیفیت دیکھ کر جسے وہ ناچ کہتے تھے اپنی تفریح طبع کے لئے دلچسپی کا سامان بنا سکیں۔ چنانچہ نواب صاحب کو جان دینے میں بہت عرصہ لگا۔ [2]

درخت پر لٹکا کر پھانسی

بنارس اور الہ آباد میں کانپور کے واقعہ سے پہلے ایک موقعہ پر چند نوجوان لڑکوں کو محض اس بنا پر پھانسی دی گئی۔ کہ انھوں نے شوقیہ طور پر باغیوں کی جھنڈیاں اٹھا کر بازاروں میں منادی کی تھی۔ سزائے موت دینے والی عدالت کے ایک افسر نے پرنم آنکھوں سے کمانڈنگ افسر کے پاس جا کر درخواست کی کہ ان نابالغ مجرموں پر رحم کر کے پھانسی کی سزا کو تبدیل کر دیا جائے۔ لیکن بے سود

اس تمام سلسلہ میں بیشمار ایسے واقعات ملیں گے جن میں اس قسم کی شائستگی عدالتوں تک سے بھی گریز کیا گیا۔ اور بے گناہ انسانوں کو بیدریغ قتل کیا گیا۔ پھانسیاں دینے کے لئے رضاکارانہ ٹولیاں بنائی گئیں۔ جنھوں نے

[1] تصویر کا دوسرا رخ صفحہ ۶۴۔ [2] ایضاً صفحہ ۶۵

اس مقصد کی تکمیل کے لئے دیہات کا دورہ کیا۔ اس حالت میں کہ اون کے پاس پھانسی دینے کا سامان بھی مکمل نہیں تھا۔ اور نہ ہی کسی کو پھانسی دینے کے طریقے سے پوری واقفیت تھی۔ چنانچہ ان میں سے ایک شریف آدمی اپنی شاندار بیباکی کا اسطرح اظہار کرتا تھا کہ ہم پھانسی دیتے وقت عام طور پر آم کے درخت اور ہاتھی کو استعمال کیا کرتے تھے۔ یعنی ملزم کو ہاتھی پر بٹھا کر درخت کے نیچے لیجاتے تھے اور اوپر سے رسہ ڈالکر ہاتھی کو ہنکایا جاتا تھا۔ یہانتک کہ ملزم اس طرح تڑپنے اور جانکنی کی حالت میں اکثر اوقات انگریزی کے آٹھ (8) کے ہندسہ کی دلچسپ شکل بنکر رہجاتا تھا۔ ؎۱

لکھنؤ پر قبضہ کرنے کے بعد قتل و غارت کا بازار گرم کیا گیا۔ چنانچہ ہر ایسے ہندوستانی کو قطع نظر اس سے کہ وہ سپاہی ہے یا اودھ کا دیہاتی بے دریغ تہ تیغ کیا گیا یہانتک کہ نہ کوئی سوال ہی کیا جاتا تھا اور نہ اس قسم کا کوئی تکلف روا رکھا جاتا بلکہ محض سیاہ رنگ ہی اس کے مجرم ہونے کے لئے کافی دلیل سمجھی جاتی۔ اور ہلاکت کے لئے ایک رسہ اور درخت کی شاخ کا استعمال کیا جاتا تھا۔ ؎۲

سولی (دہلی وغیرہ) میں شہر کے بلند مقام پر ایک چوگوشہ سولی نصب کی گئی تھی جہاں پانچ اور چھ اشخاص کو روزمرہ پھانسی دی جاتی تھی۔ جس کے قریب ہی انگریز افسران سگرٹوں کے کش پر کش اڑاتے ہوئے لاشوں کے تڑپنے

؎۱ تصویر کا دوسرا رخ صفحہ ۶۴۔ ؎۲ تصویر کا دوسرا رخ صفحہ ۶۸۔

نظاروں میں محو دکھائی دیتے تھے۔ [۱]

جلتی ہوئی سلاخوں سے داغکر مارنا یا جلا دینا۔

مسٹر نکلسن [۱] مسٹر ایڈورڈز کو ایک خط میں لکھتا ہے۔ دہلی میں انگریز عورتوں اور بچوں کے قاتلوں کے خلاف ہمیں ایک ایسا قانون پاس کرنا چاہیئے۔ جسکی رو سے ہم اون کو زندہ ہی جلا سکیں۔ یا زندہ اون کی کھال اوتار سکیں۔ یا گرم سلاخوں سے اذیت دیکر اون کو فنا کے گھاٹ اوتار سکیں۔ ایسے ظالموں کو محض پھانسی کی سزا سے ہلاک کر دینے کا خیال ہی مجھے دیوانہ کئے دیتا ہے۔ میری یہ دلی خواہش ہے کہ کاش ہیں دنیا کے کسی ایسے گمنام گوشہ میں چلا جاؤں۔ جہاں مجھے یہ حق حاصل ہو کہ میں سنگین انتقام لیکر دل کی بھڑاس نکال سکوں [۲]

نکلسن کو اپنی آرزو کے پورا ہونے میں کچھ زیادہ انتظار نہ کرنا پڑا تھی "مسٹر موبری تھامسن" نے اپنے بعض قیدیوں کی دردناک سرگذشت مسٹر کاٹن کو ذیل کے الفاظ میں سنائی۔

شام کے وقت ایک سکھ اردلی میرے خیمہ میں آیا اور سلام کر کے پوچھنے لگا۔ آپ غالباً یہ دیکھنا پسند کریں گے کہ قیدیوں کے ساتھ کیا سلوک کیا گیا۔ میں فوراً ایک کے قیدیوں کے خیمہ میں گیا۔ جہان اون بدبخت مسلمانوں کو عالم نزاع میں بے حال دیکھا۔ یعنی مشکیں اون کی بندھی ہوئی

[۱] تصویر کا دوسرا رخ صفحہ ۶۶۔ [۲] ایضاً صفحہ ۳۸۔

تھیں۔ اور وہ برہنہ زمین پر پڑے ہوئے تھے۔ اور سر سے لیکر پاؤں تک
تمام جسم کو گرم تانبے سے داغ دیا تھا۔ اس روح فرسا نظارہ کو دیکھکر میں
نے اپنے پستول سے اون کا خاتمہ کر دینا ہی اون کے حق میں مناسب سمجھا[1]
ایک عینی شاہد کا بیان ہے۔
بدنصیب قیدی کے جلتے ہوئے گوشت سے مکروہ بدبو نکلکر آس
پاس کی فضا کو مسموم بنا رہی تھی۔
انیسویں صدی میں جب کہ تہذیب اور شائستگی پر ناز کیا جاتا تھا
ایک ایسا دردناک نظارہ دیکھنے میں آتا ہے کہ ایک انسان نہایت وحشیانہ
طریق سے زندہ آگ میں جلایا جا رہا ہے۔ اور سکھ اور یورپین نہایت
اطمینان اور متانت سے چھوٹی چھوٹی ٹولیاں بنا کر ارد گرد کھڑے دیکھ
رہے ہیں۔ گویا کہ وہ ایک تفریح کا سامان تھا۔[2]
ٹائمز آف انڈیا اخبار کے فوجی نامہ نگار مسٹر رسل نے بھی اس واقعہ
کی تصدیق کی ہے۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے۔
چند دنوں کے بعد میں نے اوس شخص کی جلی ہوئی ہڈیوں کو اسی
میدان میں پڑا ہوا پایا۔[3]
ایڈورڈ ٹامسن لکھتا ہے۔
دماغ پر اس سزا کا ایسا مہلک اثر پڑتا ہے کہ بعض دفعہ تو انسان

---

[1] تصویر کا دوسرا رخ صفحہ ۴۷ [2] ایضاً صفحہ ۴۷ [3] ایضاً صفحہ ۴۷

نواب معین الدین حسن کے بیانات کو جن میں اس دردناک سزا کا ذکر ہے پڑھنے یا سننے کے لئے بھی تیار نہیں ہوتا۔ لیکن گورنمنٹ بنگال کے سرکاری کاغذات میں اب بھی ایسی دستاویزات محفوظ ہیں جنکو مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ انگریز نہایت کثرت سے اس ہولناک سزا کا استعمال کرتے تھے۔ چنانچہ ایک انگریز افسر کی چٹھی ابھی تک محفوظ ہے۔ جس میں اٹھارہویں صدی کے آخری زمانے کے حالات پر بحث کرتے ہوئے اس دردناک طریق سزا کی۔ ذیل کے الفاظ میں مذمت کی ہے۔

آخر کب تک ہم بنی نوع انسان کو اس دلخراش طریق پر گرم سلاخوں پر سکڑتے اور بھنتے دیکھنے کی اذیت برداشت کرتے رہیں گے۔ له

سور کی کھال میں سی کر جلانا —

ٹائمز آف انڈیا کے اڈیٹر مسٹر ڈی لین نے لکھا تھا۔ زندہ مسلمانوں کو سور کی کھال میں سینا۔ یا پھانسی سے پہلے ان کے جسم پر سور کی چربی ملنا یا زندہ آگ میں جلانا۔ یا ہندوستانیوں کو مجبور کرنا کہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ بدفعلی کریں۔ ایسی مکروہ اور انتقامانہ حرکات کی دنیا کی کوئی تہذیب بھی کبھی اجازت نہیں دیتی۔ ہماری گردنیں شرم و ندامت سے جھک جاتی ہیں اور یقیناً ایسی حرکات عیسائیت کے نام پر ایک بدنما دھبہ ہیں۔ جن کا کفارہ لازمی طور پر ہمیں بھی ایک دن ادا کرنا پڑے گا۔ ٹه

له تصویر کا دوسرا رخ صفحہ ۳ ٹه ایضاً صفحہ ۴۲

توپ سے باندھکر اڑا دینا

لارڈ رابرٹس اپنی والدہ کو ایک چھٹی میں لکھتا ہے۔

ہم پشاور سے جہلم تک پا پیادہ سفر کرتے ہوئے پہونچے۔ اور راستہ میں کچھ کام بھی کرتے آئے یعنی باغیوں سے اسلحہ چھیننا۔ اور اون کو پھانسیوں پر لٹکا دینا۔ چنانچہ توپ سے باندھکر اڑا دینے کا جو طریقہ ہم نے اکثر استعمال کیا ہے۔ اوس کا لوگوں پر ایک خاص اثر ہوا۔ یعنی ہماری ہیبت لوگوں کے دلوں پر بیٹھ گئی۔ اگرچہ یہ طریقہ سزا نہایت دلخراش ہے [1]

لڑائی کے اختتام پر بہت سے قیدیوں کو پھانسی پر لٹکایا گیا۔ اور یہ معلوم ہونے پر کہ اس قسم کی موت کی وہ کوئی خاص پرواہ نہیں کرتے تو اون میں سے چار آدمیوں کو فوجی عدالت کے حکم سے توپوں سے باندھکر اڑا دیا گیا۔ چنانچہ ایک زور ایک توپ کے بہت بڑے دہماکے کی آواز سے ہم چونک پڑے۔ جس کے ساتھ ہی ایک ناقابل بیان دھیمی مگر وحشت ناک چیخ بھی سنائی دی۔ دریافت کرنے پر ایک افسر نے ہمیں بتایا کہ یہ نہایت ہی کریہہ انگیز نظارہ تھا۔ یعنی ایک توپ میں اتفاق سے بارود زیادہ بھرا ہوا تھا۔ جس کے چلائے جانے سے بدقسمت مجرم کا گوشت ریزہ ریزہ ہوکر فضاء آسمانی میں اُڑا۔ اور تماشائیوں پر خون کے چھینٹے اور گوشت کے ٹکڑے گرے۔ اور اوس کا سر ایک راہ رو پر اس زور سے گرا کہ اوسکو

[1] تصویر کا دوسرا رخ صفحہ ۳۴۔

بھی چوٹ آگئی۔ ؎

بھوکا رکھکر یا دم گھونٹ کر مارنا

"مسٹر کوپر" لکھتا ہے۔

پہلی اگست کو بقر عید کا دن تھا اس لئے مسلمان سواروں کو دہاں سے علیحدہ کرنے کے لئے ایک مفید عذر تھا۔ چنانچہ اون کو تہوار منانے کے لئے امرتسر بھیجدیا گیا۔ اور صرف ایک عیسائی افسر وفادار سکھوں کی امداد سے ایک مختلف قسم کی قربانی کرنے کے لئے دہاں پر اکیلا رہ گیا۔ اب جو نہایت اطمینان سے اپنا کام کرتا رہا۔ اب مشکل یہ پیش آئی کہ لاشوں کو کس طرح دبایا جائے۔ تاکہ اون کا تعفن نہ پھیلے۔ لیکن اتفاق سے قریب ہی ایک ویران کنواں مل گیا۔

جب دس دس کی ٹولی کو یکے بعد دیگرے گولی سے اڑاتے ہوئے ڈیڑہ سو سپاہی مارے جا چکے تو قتل کرنے والوں میں سے ایک شخص غش کھاکر گر پڑا جو ہلاک کرنے والوں میں سب سے بوڑھا سپاہی تھا اس لئے آرام کرنے کے لئے تھوڑا سا وقفہ دیا گیا۔ اس کے بعد پھر قتل کی کارروائی شروع کردی گئی۔ جب تعداد دو سو تینتیس تک پہونچ چکی تو ایک افسر نے اطلاع دی کہ باقی باغی برج سے باہر آنے سے انکار کرتے ہیں۔ جہاں وہ چند گھنٹے پیشتر عارضی طور پر بند کردئے گئے تھے۔ اس برج کے دروازے کھولے گئے تو معًا ایک نہایت دردناک نظارہ دیکھنے میں آیا جس سے ہولویل کے بلیک ہال کی یاد تازہ ہوگئی۔ یعنی پینتالیس آدمیوں کی مردہ لاشیں لائی گئیں جو خوف، گرمی، سفر کی صعوبت، اور دم گھٹنے کی وجہ سے

؎ تصویر کا دوسرا رخ صفحہ ٦٣

ایڑیاں رگڑ رگڑ کر ہلاک ہو گئے تھے۔

ان مردہ اور نیم مردہ لاشوں کو گاؤں کے بھنگیوں کے ہاتھوں قریب کے ویران کنویں میں پھنکوا دیا گیا[1]

لطف یہ ہے کہ جنرل لارنس اور رابرٹ منٹگمری وغیرہ نے اس فعل کی داد دیتے ہوئے کوپر کو مبارکباد کے خط لکھے۔ ملاحظہ صفحہ ۵۹ انقلاب ۱۸۵۷ء کی تصویر کا دوسرا رخ۔

نہ صرف سولی پر اکتفا کیا گیا بلکہ دیہات میں اون کو اپنے مکانوں میں بند کر کے آگ میں جلا کر خاکستر کر دیا گیا۔[2]

قتل عام اور بستیوں کو جلا دینا

۳۱ جولائی ۱۸۵۷ء کو گورنر جنرل با اجلاس کونسل کی طرف سے ہندوستان میں مفصل ہدایات جاری کی گئیں کہ غیر معین طریق سے دیہات کو آگ لگانا فی الفور بند کر دیا جائے۔ اور مجسٹریٹوں کو حکم دیا گیا کہ وہ غیر مسلح آدمیوں کو فوج کے بھاگے ہوئے سپاہی سمجھ کر ہرگز کوئی سزا نہ دیں

بہت سی ایسی سول عدالتوں سے موت اور عمر قید کے اختیارات واپس لے لئے گئے۔ کیونکہ اون کا استعمال نہایت بیدردی سے کیا گیا تھا۔

۸ اگست کو مسٹر جان گرانٹ کو وسط ہند کا گورنر اس لئے مقرر کیا گیا تا کہ الہ آباد اور دوسرے مقامات پر بے تحاشہ پھانسیوں کے سلسلہ کو بند کر دیں۔ باوجود اس کے ایک کثیر طبقہ کی طرف سے وائسرائے اور مسٹر گرانٹ کی شدید

---

[1] تصویر کا دوسرا رخ صفحہ ۵۵ ۔ [2] ایضاً صفحہ ۶۳

مخالفت کی گئی، یہاں تک کہ تعریض کے طور پر پھانسیوں کو رد کئے والا گرانٹ اور رسل کینگ وغیرہ تمام دیگران کی ہنسی بھی اڑائی گئی۔ پھر بھی اس مخالفت کی کوئی پروا نہ کی گئی۔ جب اگست میں انگریزی فوج ہندوستانی دیہات جلانے کی مہم سے واپس آرہی تھی تو راستہ میں انھوں نے وفادار سپاہیوں کی ایک جماعت کو بلا وجہ گولیوں اور سنگینوں کا نشانہ بنا دیا۔ چنانچہ انتقام کے اس خوفناک مظاہرے پر اظہار خیال کرتے ہوئے ٹائمز آف انڈیا نے اس واقعہ کو جنگی یا وحشی انصاف سے تعبیر کیا۔ لیکن جنرل آوٹرم کی رائے میں یہ واقعہ معصوم انسانوں کا سنگدلانہ قتل تھا۔ [1]

میجر رناڈ کو جنرل نیل کی طرف سے ہدایت موصول ہوئی جبکہ وہ کانپور کے محصورین کی امداد کے لئے آرہا تھا" بعض دیہات کو ان کی مجرمانہ حرکات کی بنا پر عام تباہی کے لئے منتخب کر دیا گیا ہے۔ جہاں کی تمام مرد آبادی کو قتل کر دینا ہوگا۔ باغی رجمنٹوں کے تمام ایسے سپاہی فی الفور پھانسی پر لٹکا دئے جائیں جو اپنے چال چلن کے متعلق اطمینان بخش ثبوت بہم نہ پہونچا سکیں۔ قصبہ فتحپور کی تمام آبادی کو محاصرہ میں لیکر تہ تیغ کر دیا جائے۔ باغیوں کے تمام سرغنوں کو فی الفور پھانسی پر لٹکا دیا جائے۔ اگر وہاں کا ڈپٹی کلکٹر قابو میں آجائے تو اس کو وہیں پھانسی دیدی جائے۔ اور اس کا سر کاٹ کر سب سے بڑی عمارت پر لٹکا دیا جائے۔ [2]

---

[1] تصویر کا دوسرا رخ صفحہ ۴۴ [2] ایضاً صفحہ ۴۶

مسٹر رسل ایک طویل تحریر میں لکھتا ہے۔

لیکن یہ تو انسانیت اور انصاف کے خلاف ہے کہ تمام اضلاع کو یہی تاخت و تاراج کیا جائے۔ محض اس جرم پر کہ باغیوں سے ان علاقوں میں پڑاؤ کیا تھا۔ کچھ افسروں کی جانب سے احتجاج کیا گیا کہ اگر اسی طرح دیہات کو جلایا جاتا رہے گا تو نتیجہ یہ ہوگا کہ فوج کو راستہ میں رسد اور چارہ بالکل دستیاب نہ ہو سکے گا۔[2]

شمالی مغربی سرحدی صوبہ اور پنجاب میں اندھا دھند پھانسیاں دی گئیں۔ جن میں مرد، عورت اور بچوں کی کوئی تمیز روا نہ رکھی گئی۔ نیز بے شمار دیہات جلانے کی وجہ سے آبادی کے اس حصہ میں بھی نفرت اور وحشت پھیل گئی جو گورنمنٹ کے خلاف نہ تھے۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ فصلیں تباہ ہوگئیں اس قسم کے وجوہات کی بنا پر یہ افواہ نہایت ترقی پکڑ گئی کہ گورنمنٹ کا منشا تمام ہندوؤں اور مسلمانوں کو بے دریغ قتل کر دینے کا ہے گورنر جنرل باجلاس کونسل بحوالہ تصویر کا دوسرا رخ

انگریزوں نے راستہ میں سینکڑوں میل تک سڑک کے دونوں طرف دیہاتیوں کو بے دریغ قتل و غارت و برباد کر کے ملک کو صحرا کی طرح ویران اور سنسان کر دیا دہلی سے باغیوں کے فرار ہو جانے کے بعد انگریز فاتحین نے باشندوں کا قتل عام کیا اور بے ضابطہ انگریزی عدالتوں کے حکم سے ہزاروں شہری پھانسی کے تختہ پر لٹکا دئے گئے حالانکہ ان کو بغاوت سے دور کا بھی تعلق نہیں تھا (تصویر کا دوسرا رخ صفحہ ۵ و صفحہ ۷) مختصر یہ کہ بیشمار دیہات کو ایسے وقت میں جلا کر

لہ تصویر کا دوسرا رخ صفحہ ۵۱ - ٹہ ایضاً صفحہ ۶۰

خاکستر کر دیا گیا جبکہ عورتیں بوڑھے اور بچے گھروں کے اندر موجود تھے۔ (تصویر کا دوسرا رخ صفحہ ۶)

دہلی میں باشندوں کے قتل عام کی منادی کی گئی۔ حالانکہ اون میں ایسے لوگ بھی شامل تھے جن کے متعلق ہمیں علم تھا کہ وہ ہماری فتح کے خواشمند تھے۔ ہمارے اکثر نوجوان تو محض خون گرانے کی خواہش پورا کرنے کے لئے اپنی ہی فوج کے ہندوستانی اردلیوں اور پوربی گھسیاروں وغیرہ کو گولی سے اڑا دینے کی تمنا کا علانیہ طور پر اظہار کرتے تھے ؎

کانپور کے حادثہ سے بہت عرصہ پیشتر ایک طرف تو فوجی قانون کے نفاذ کا اعلان کیا گیا۔ اور دوسری طرف مجلس وضع قانون نے مئی اور جون میں نہایت خوفناک قوانین پاس کئے۔ جن پر پوری سرگرمی سے عمل کیا گیا۔ اور فوجیوں اور اور سول افسروں نے خونی عدالتیں قائم کر کے ہندوستانیوں کو بیدریغ موت کے گھاٹ اتارنا شروع کر دیا۔ بلکہ بعض حالات میں تو بغیر کسی نام نہاد عدالت کے حکم کے پھانسیاں دیدی گئیں۔ جن میں مرد عورت کی کوئی تمیز روا نہ رکھی گئی — بایں ہمہ خونریزی کی آگ دن بدن اور بھڑکتی گئی۔ چنانچہ آج بھی پارلیمنٹ کے محفوظ ریکارڈ میں گورنمنٹ ہند کی وہ تمام یادداشتیں محفوظ ہیں۔ جن سے یہ پتہ چلتا ہے کہ باغیوں کے علاوہ عام آبادی میں سے مردوں، عورتوں، بچوں - اور بوڑھوں تک کو بھی پھانسی کے تختہ پر لٹکا دیا گیا - نہ صرف سولی پر ہی اکتفا کیا گیا

؎ تصویر کا دوسرا رخ صفحہ ۶۱

بلکہ دیہات میں اون کو اپنے مکانوں میں بند کر کے آگ میں جلا کر خاکستر کر دیا گیا اور شاذ و نادر ہی کسی ایک کو گولی سے مارنے کی تکلیف گوارہ کی گئی ہو۔ انگریزوں نے فخریہ لکھا ہے کہ ہم نے حتی الامکان کسی ذی روح کی آبادی کو زندہ نہیں رہنے دیا[1]

لکھنؤ پر قبضہ کرنے کے بعد قتل و غارت کا بازار گرم کیا گیا چنانچہ ہر ایسے ہندوستانی کو قطع نظر اس سے کہ وہ سپاہی ہے یا دھکا دیہاتی بے دریغ تہ تیغ کیا گیا۔ یہاں تک کہ نہ تو کوئی سوال ہی کیا جاتا تھا اور نہ ہی اس قسم کا کوئی تکلف روا رکھا جاتا تھا۔ بلکہ محض سیاہ رنگت ہی اوس کے مجرم ہونے کے لئے کافی دلیل سمجھی جاتی تھی اور پھانسی کے لئے ایک رسہ اور درخت کی شاخ کا استعمال کیا جاتا تھا۔ یا اگر یہ اشیاء مہیا نہ ہوں تو۔ بندوق کی ایک گولی بے گناہ انسان کے دماغ کو چیرتی ہوئی نکل جاتی تھی۔ اور وہ وہیں ڈھیر ہو جاتا تھا[2]

دہلی میں ہماری فوج کے شہر میں داخل ہونے پر تمام ایسے لوگ جو چلتے پھرتے نظر آئے وہ سنگینوں سے وہیں ختم کر دئے گئے۔ ایسے بدقسمت انسانوں کی تعداد بہت کافی تھی۔ آپ اس ایک واقعہ سے کافی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ایک گھر میں چالیس یا پچاس ایسے اشخاص ہمارے نوجوانوں سے پناہ گزین ہوئے جو اگرچہ باغی نہ تھے بلکہ غریب شہری تھے اور ہمارے خود کرم پہ تکیہ لگائے ہوئے تھے جس کے متعلق میں خوشی سے ظاہر کرتا ہوں کہ وہ سخت مایوس ہوئے کیونکہ ہم نے اسی جگہ ان کو اپنی سنگینوں سے ڈھیر کر دیا تھا[3]

[1] لکھنؤ ... [illegible] ... ایضاً صفحہ ... [illegible]

بیگناہ شہریوں کو درانحالیکہ وہ ہاتھ جوڑ جوڑ کر رحم کی درخواست کر رہے تھے گولی کا نشانہ بنا دیا گیا۔ بلکہ عمر رسیدہ انسانوں کو حالانکہ اون کے جسم رعشہ سے کانپ رہے تھے کاٹ کر رکھدیا گیا [1]

ٹائمز کے نامہ نگار نے لکھا تھا۔

میں نے دہلی کے بازاروں میں پھرنا مطلقاً چھوڑ دیا ہے۔ کیونکہ کل ایسا دردناک واقعہ دیکھنے میں آیا جس سے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں یعنی جب ایک افسر بیس سپاہی لیکر شہر کی گشت کو جانے لگا تو میں بھی اون کے ہمراہ ہو لیا اور راستہ میں ہم نے چودہ عورتوں کی لاشوں کو شالوں میں لپیٹے ہوئے بازار میں پڑا پایا۔ جن کے سر دھڑوں سے اون کے خاوندوں نے خود جدا کئے تھے۔ چنانچہ ایک عینی شاہد سے دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ دردناک حادثہ اس لئے ظہور پذیر ہوا کہ اون کے خاوندوں کو شبہ تھا کہ اگر انگریز سپاہیوں کے قابو میں آگئیں۔ تو وہ اون کی عصمت دری کریں گے لہذا تحفظ ناموس کا یہی طریقہ مناسب خیال کیا گیا جس کے بعد خاوندوں نے بھی خودکشی کر لی۔ چنانچہ اون کی لاشوں کو بھی ہم نے دیکھا [2]

رید ورڈ تامسن لکھتا ہے۔ فوجی شرابیوں کی دوکانیں لوٹتے اور شراب پی کر بازاروں میں گشت کرتے پھرتے بیدریغ قتل و غارت کرتے کبھی کبھی کوئی منچلا اون میں سے کسی کو ختم کر دیتا۔ لطف یہ ہے کہ اس قاتل کو مذہبی دیوانہ کہا جاتا ہو

---

[1] تصویر کا دوسرا رخ صفحہ ۶۵ [2] ایضاً صفحہ [illegible]

یعنی عقل کا تقاضہ یہ تھا کہ نہایت خاموشی سے ان شرابیوں کے سامنے ذبح کے لئے گردنیں کیوں نہیں جھکا دیں [1]

باغیوں کے جرم کے مقابلہ میں ہزار گنا زیادہ سنگین پاداش دہلی کے باشندوں کو برداشت کرنی پڑی ہزارہا مرد و عورت اور بچوں کو بیگناہ خانماں برباد ہو کر جنگلوں اور ویرانوں کی خاک چھاننی پڑی اور جتنا مال و اسباب وہ پیچھے چھوڑ گئے اون سے ہمیشہ کے لئے اون کو ہاتھ دھونے پڑے کیونکہ سپاہیوں نے گھروں کے کونے کونے کھود کر تمام قیمتی اشیاء کو قبضہ میں کر لیا اور باقی سامان توڑ پھوڑ کر خراب کر دیا جنکو وہ اٹھا کر نہیں لے جا سکتے تھے [2]

اسپیر والپول لکھتا ہے کہ وحشی نادرشاہ نے بھی وہ لوٹ نہیں مچائی تھی جو فتح دہلی کے بعد انگریزی فوج نے جائز رکھی۔ شارع عام پر پھانسی گھر بنائے گئے اور پانچ یا چھ چھ آدمیوں کو روزانہ سزائے موت دی جاتی تھی۔ راویوں کا بیان ہے کہ تین ہزار آدمیوں کو پھانسی دی گئی جن میں سے انتیس شاہی خاندان سے تعلق رکھتے تھے مؤلف تبصرۃ التواریخ لکھتا ہے کہ ستائیس ہزار سے مسلمان قتل کئے گئے۔ اور سات دن تک برابر قتل عام جاری رہا [3]

صفر ۱۲۷۴ھ کی پہلی یا دوسری تاریخ کو بادشاہ کے سمدھی "الہی بخش" کی سازش سے ہڈسن نے تین شہزادوں مرزا مغل، مرزا خضر سلطان، اور مرزا ابوبکر وغیرہ کو ہمایوں کے مقبرہ سے گرفتار کیا اور تینوں کا سر قلم کر کے بادشاہ کے سامنے پیش کیا۔

---

[1] تصویر کا دوسرا رخ صفحہ [2] ایضاً صفحہ [3] افسانہ غم صفحہ ۲۲۲و ۲۲۷

بادشاہ نے ہنسکر فرمایا۔ تیموری خاندان کے بہادر فرزند اسی طرح سرخرو ہوکر باپ کے سامنے آیا کرتے ہیں (پنڈت سندر لال)

آخر کی چند سطور کے علاوہ آپ نے جو کچھ واقعات پڑھے وہ انقلاب ۱۸۵۷ء کی تصویر کا دوسرا رخ "یعنی مسٹر ایڈورڈ ٹامسن کی کتاب دی اور سائیڈ آف دی میڈل .... سے نقل کئے گئے ہیں جن کے متعلق مصنف ایڈورڈ ٹامسن کا دعوی ہے کہ جتنے واقعات یہاں قلمبند کئے گئے ہیں اون میں سے ایک بھی کسی ہندوستانی قلم یا زبان سے نکلا ہوا نہیں۔ اور بیشتر شاذ و نادر ہی کوئی ایک فقرا انگلو انڈین اخبارات یا اوس سے کم درجہ پر اپنے ملک کے اخبارات سے نقل کیا ہوگا۔ نیز یہ کہ اون بہت سے واقعات کو چھوڑ دیا جن سے اس سے زیادہ سنگدلی اور درندگی اظہار ہوتا ہے" صفحہ ۲۹، تصویر کا دوسرا رخ۔

ہر اس موقعہ پر آپ کو یہ فراموش نہ ہونا چاہیئے کہ لارڈ برٹس کے نزدیک اس قسم کی تمام درندگی کا مقصد یہ تھا کہ

"اُن بدمعاش مسلمانوں کو بتا دیا جائے کہ خدا کے حکم سے صرف انگریز ہی ہندوستان پر حکومت کریں گے (صفحہ ۱۲۲ تصویر کا دوسرا رخ۔

اس بدبختی انگیزی، بربریت اور درندگی کا نتیجہ انگریز کے حق میں نہایت مبارک تھا مسلمان اس قدر خائف ہو گئے کہ کانگریس والوں کے قیام سے پیشتر تک قومی اداروں کے دستور اساسی میں بسم اللہ کے بعد پہلا یہ جملہ ہوتا تھا کہ

"اس ادارہ کا تعلق سیاست سے قطعاً نہ ہوگا"

دیوبند میں ایک بزرگ تھے جو ۱۸۵۷ء سے پچاس سال بعد تک زندہ

رہے ہے۔ اون کے متعلق معلوم ہوا ہے کہ تہجد کے بعد انگریزوں کے لئے بد دعا کیا کرتے تھے مگر پہلے صحن میں گشت کرکے اطمینان کر لیا کرتے تھے کہ کسی گوشہ میں کوئی ایسا شخص تو نہیں ہے جو مخبری کر دے۔

شاہ دہلی ۔ دہلی اور ۱۸۵۷ء کے مزید حالات انشاء اللہ داستان بربادی میں بیان کئے جائیں گے ۔ (انشاء اللہ)

ھذا وآخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العالمین ۔

۱ بجے شب ۴ ربیع الاول [illegible]

محمد میاں عفی عنہ

ایضاح الادلہ

مؤلفہ سیدنا شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔ علمی موتیوں کا بے نظیر خزانہ۔ الہامی فوائد کا قیمتی ذخیرہ ہے۔ حضرت مؤلف کا مشہور علم و فضل مضامین کے حسن و خوبی اور استناد کے لئے بہترین شاہد ہے۔ یوں تو علم الہیہ کے سیکڑوں جواہر ریزے کتاب کے اوراق میں جلوہ گر ہیں۔ مگر خصوصیت کے ساتھ مندرجہ ذیل مسائل پر سیر حاصل اور لاجواب بحث کی گئی ہے۔

(۱) فقہائے کرام کی فضیلت حضرات محدثین پر (۲) فقہائے کرام کا بدرجہ اول محدث ہونا (۳) رفع یدین آمین بالجہر (۵) زیر ناف ہاتھ باندھنا (۶) قرأت فاتحہ خلف الامام (۷) وجوب جمعہ مع شرائط (۸) تقلید شخصی کی اہمیت (۹) تقلید کی مختلف قسمیں (۱۰) حقیقت ایمان (۱۱) ایمان کی زیادتی اور کمی (۱۲) امام صاحب کے متعلق الزام ارجا کی تردید۔ (۱۳) قضاء قاضی کے ظاہراً و باطناً نفاذ کی شرعی اور عقلی بحث (۱۴) حکومت اسلامیہ کی حقیقت (۱۵) خلافت اور حکومت الہی (۱۶) اسباب ملک و حقیقت ملک (۱۷) قبضہ شرعیہ (۱۸) بیع فاسد کی تحقیق اور فاسد و باطل کا فرق (۱۹) نکاح محارم (۲۰) قلتین اور دہ در دہ کا مسئلہ (۲۱) ما کثیر کے متعلق ائمہ ثلاثہ کے مذاہب کی بینظیر تفسیر وغیرہ وغیرہ قیمت قسم اول عہ قسم دوم عہ صفحات ۴۷۲